برطانوی پلان

اور ایک فرضی کہانی

دوست محمد شاہد مؤرّخ احمدیت

(صرف احمدی احباب کی تعلیم و تربیت کے لئے)

انیسویں صدی کے اوائل میں متحدہ انگریز اور مسلم عسکری کردار

برطانوی پلان اور ایک فرضی کہانی

(جدید سائنٹفک تحقیق کی روشنی میں)

دوست محمد شاہد مؤرخ احمدیت

فصل ۱

ایسٹ انڈیا کمپنی کی مسلمان افواج کے سکھوں سے مثالی معرکے

۱۸۰۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب (۱۳رنومبر ۱۷۸۰ء - ۲۷رجون ۱۸۳۹ء) نے حکمران ہوتے ہی انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ معاہدہ کر کے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات و روابط قائم کر لئے۔ انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے سکھوں کی منتشر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ایک متحدہ سلطنت کی شکل دے دی پھر اپنی بہترین حکمت عملی سے ملتان، کشمیر اور افغانستان حکومت سے جنگ کر کے ۶رمئی ۱۸۳۴ء کو پشاور پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ولادت سے چند ماہ قبل کی بات ہے۔ مہاراجہ نے پشاور پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد نہ صرف پورے صوبہ سرحد بلکہ افغانستان کے شہر قندھار تک کو بھی زیر نگیں کر لیا۔ مہاراجہ کے حسن سلوک نے مسلم و غیر مسلم رعایا دونوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور پنجاب و سرحد کی سرزمین امن کا گہوارہ اور مادی طور پر بہشت بریں کا منظر پیش کرنے لگی۔

مہاراجہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے جانشینوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی اور مسلمانوں کے خلاف متعدد محاذ کھول دئے اور دہشتناک لڑائیوں کا باقاعدہ ایک سلسلہ شروع کر دیا جس سے دونوں صوبوں میں مسلمانوں کے خلاف سخت ابتری اور دہشت پھیل گئی جس پر انگریزوں اور مسلم سپاہ نے سکھ گردی کا ہر میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کیا اور تین چار سال کی مسلسل جانفشانیوں اور قربانیوں سے سکھ حکومت کے پرخچے اڑا دئے۔ اس سلسلہ میں پہلا اہم معرکہ ۱۸۴۵ء میں فیروز پور سے بیس میل جنوب مشرق کی جانب مدکے مقام پر ہوا جس میں انگریزی اور مسلم سپاہیوں نے سکھوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے ۲۸رجنوری ۱۸۴۶ء کو انگریزوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا۔

M.M TAHIR & AZHAR CHOUDHRY
1470 - BLOOR STE 507
MISSISSAUGA ONT
LUX IR6
CANADA

دوسری اہم جنگ اپریل ۱۸۴۸ء میں ڈیرہ غازیخان میں ہوئی جہاں بنوں کے لیفٹنٹ (بعدازاں سر) ہربرٹ ایڈورڈ مسلمانوں کا لشکر جرار لے کر میدانِ جنگ میں نہایت کرّ و فر کے ساتھ پہنچ گئے۔ اس جنگ میں جو ۲۱ مئی ۱۸۴۶ء کو سکھوں کی شکست پر منتج ہوئی، ڈیرہ غازیخان کی مقتدر سماجی، فوجی و سیاسی شخصیت تمندار اور کھوسہ قبیلہ کے بہادر لیڈر کوڑا خاں اور اس کے بہادر سپاہیوں نے شجاعت کے ایسے مثالی کارنامے دکھلائے کہ انگریزی سلطنت نے ان کو زبردست خراج تحسین ادا کیا خصوصاً رئیس اعظم کوڑا خاں تمندار اور ان کے بہادر فرزند کو عالی جاہ کے بہترین خطاب سے نوازا اسی پر بس نہیں وائسرائے ہند لارڈ ڈلہوزی نے خاں صاحب کو ان کے آبائی وطن میں نہ صرف ایک باغ بھی انعام کے طور پر عطا کیا بلکہ ان کی جاگیروں کی توثیق کر کے ان کے جذبہ سپہ گری اور انگریزوں سے بے مثال وفاداری کے ثبوت کے لئے اپنی قدر دانی کا اظہار کیا۔

(''تاریخ پنجاب'' اردو ترجمہ صفحہ ۱۰۲۳ از عالی جناب خاں بہادر شمس العلماء سیّد محمد لطیف صاحب فیلو پنجاب یونیورسٹی و ممبر ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ ناشر تخلیقات لاہور نومبر ۱۹۹۴ء)

تیسری خونریز جنگ دریائے چناب کے کنارے واقع کنیری کے مقام پر ۱۸/ جون ۱۸۴۸ء کو لڑی گئی۔ اس موقع پر عالیجناب نواب بہاولپور صاحب نے ''جذبہ جہاد'' کی فروانی کا نیا ریکارڈ قائم کیا انہوں نے انگریز جرنیل عزت مآب لیفٹیننٹ ایڈورڈ کو پانچ ہزار سپاہیوں کی ایک زبردست فوج سرحدی مسلمانوں کی پیش فرمائی۔ اسی طرح سبحان خاں کی ایک پُر شکوہ پیادہ فوج کی پلٹن نے اپنے محبوب انگریزوں کے لئے اپنے مقدس خون کے نذرانے پیش کئے۔ ساڑھے تین بجے ایڈورڈ کے حکم پر سبحان خاں کی جانباز رجمنٹ نے سکھ باغی فوجوں پر حملہ بول دیا اور دست بدست لڑائی کے بعد سنگین کی نوک پر سکھوں کی توپ پر قبضہ کر لیا جس کے بعد سکھ سپاہی شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ انگریز اور ''مسلمان مجاہد'' برق رفتاری سے چناب سے چار کوس کے فاصلہ پر نہر کے مقام پر پہنچ گئے اور سکھوں کا پڑاؤ ان کا تمام آتشیں اسلحہ اور خیمے کے ذخائر فاتحین کے ہاتھ لگے۔ اس طرح سندھ اور چناب کے درمیان اور چناب اور ستلج کے درمیان کا پورا علاقہ مکمل طور

پر ''جہادیوں'' کی یورش سے سکھوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔'' (''تاریخ پنجاب'' صفحہ ۱۰۲۴)

چوتھی اور آخری مگر طویل لڑائی ملتان کے قریب یکم جولائی ۱۸۴۸ سے شروع ہوئی اور بالآخر جنوری ۱۸۴۹ء کو ملتان فتح ہو گیا۔ یہ لڑائی انگریز اور مسلمان سپاہیوں نے اپنی بے مثال جرأت و بسالت سے جیتی۔ اس میں سبحان خاں کی رجمنٹ اور شیخ امام الدین کے چار ہزار سپاہیوں نے بھی حصہ لیا اور نواب بہاولپور کے لشکرِ جرار نے بھی ''میدانِ جہاد'' میں خوب دادِ شجاعت دی۔

مورّخ پنجاب خان بہادر شمس العلماء سیّد محمد لطیف فیلو پنجاب یونیورسٹی و ممبر ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے اپنی شہرہ آفاق کتاب THE HISTORY OF PUNJAB میں بڑی شرح و بسط سے لکھا ہے کہ اس لڑائی میں ملک فتح خاں ٹوانہ نے نہایت بہادری سے لڑتے لڑتے جان دے دی نیز بتایا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی اپنے پورے وسائل کے ساتھ انگریزوں کی مدد کرنے کے صلہ میں ''غازیِ اعظم'' نواب بہاول خان کو ایک لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ عطا فرمایا نیز ہر ماہ اپنی فوج کو میدان میں رکھنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ کے عطیہ کی منظوری بھی مرحمت فرمائی۔ (ترجمہ از تاریخ پنجاب صفحہ ۱۰۳۴۔ ناشر تخلیقات لاہور نومبر ۱۹۹۴)

نامور مؤرخ آگے چل کر رقمطراز ہیں:

> **''نواب بہاول خاں نے ۴۸۔۱۸۴۷ میں ملتان کے محاصرہ کے دوران حکومت برطانیہ کو نہایت شاندار خدمات بہم پہنچائیں لہذا اسے سبزل کوٹ اور بھونگ کے اضلاع کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ کا تاحیات وظیفہ بھی عطا کیا گیا۔ وہ انگریزوں کا سچا دوست تھا اور کافی عرصہ پہلے اسی حکومت کے ساتھ اس نے اتحاد قائم کر لیا تھا جس کی رو سے (اپنی خود مختاری حاصل ہونے کے باوجود) اس نے حکومت برطانیہ کی بالادستی کو تسلیم کر لیا''** (ایضاً ترجمہ صفحہ ۱۱۶۱)

''ریاست بہاولپور'' تقسیم ہند تک برطانوی حکومت کی وفاداری میں ضرب المثل رہی

کیونکہ ہر موقع پر اس نے انگریزی اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے پوری قوتیں صرف کر دیں اس بناء پر اس کے حکمران فرزند برطانیہ کے قابل فخر خطاب سے یاد کئے جاتے رہے۔ جناب سید لطیف نے یہ بھی لکھا ہے:

''افغان مہم ۸۰۔۱۸۷۸ کے دوران نواب نے اپنی ریاست کے تمام رسائل برطانیہ کی مرضی پر چھوڑ دئے اور سپاہیوں کا ایک دستہ فراہم کیا جس نے رسل ورسائل کو کھلا رکھنے کے لئے ڈیرہ غازی خاں کی سرحد پر گراں قدر خدمات سرانجام دیں'' (ترجمہ صفحہ ۱۱۶۲)

پنجاب برطانوی عملداری میں

ان چار سالہ زبردست معرکوں میں کامیابی کے بعد عزت مآب گورنر جنرل ہند کی طرف سے ۲۹ / مارچ ۱۸۴۹ء کو لاہور میں دربارِ عام منعقد کیا گیا جس میں انہوں نے اعلان فرمایا کہ

''۲۱ / مارچ ۱۸۴۹ سے پنجاب بھی انگریزی حکومت کی عملداری میں شامل ہو چکا ہے۔''

جناب سید لطیف تحریر فرماتے ہیں:

''پنجاب کی فتح انگریزوں کے لئے بہت بڑی عسکری کامیابی تھی۔ انگریز قوم کی طرف سے اس وسیع وعریض صوبہ کے حصول کے باعث ہندوستان کی فتح مکمل ہوگئی اور ہندوستان کی سلطنت کو اس کی قدرتی سرحدوں کے اندر یعنی ہندوستان کی تاریخی سرحد ممنوعہ دریا سندھ بلند وبالا ہمالیہ پہاڑوں اور عظیم بحیرہ ہند کے اندر لایا گیا'' (ترجمہ صفحہ ۱۰۴۷)

مزید تفصیل کے لئے ہر محقق کو ''پنجاب چیفس'' (سر لیپل گریفن وجنرل گریسی) ضرور پڑھ لینی چاہیئے۔

حکومت برطانیہ سے والئی افغانستان کا معاہدہ

الحاق پنجاب کے چند سال بعد جنوری ۱۸۵۷ء کے اوائل میں والئی افغانستان دوست محمد خاں نے بھی انگریزی سلطنت سے معاہدہ کر کے ایشیا میں امن کی وسیع بنیاد قائم کر دی۔ مؤلف ''تاریخ پنجاب'' نے اس تاریخی واقعہ کا تذکرہ درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

''جنوری ۱۸۵۷ء کے اوائل میں سر جان لارنس نے پشاور کے قریب جمرود کے مقام پر کابل کے امیر دوست محمد خاں کے ساتھ مذاکرات کئے۔ دوست محمد خاں اپنی سفید براق متبرک داڑھی کے ساتھ اونٹ کے موٹے بالوں سے تیار کردہ لباس میں ملبوس اپنے دو بیٹوں اور انتہائی قابل اعتماد سرداروں کے ہمراہ درباری خیمہ میں داخل ہوا۔ اس اجلاس میں امیر کو ضمانت مہیا کی گئی کہ جب تک ایران کے ساتھ جنگ جاری رہے گی، اسے بارہ لاکھ روپے سالانہ کی امدادی رقم مہیا کی جائے گی۔ چاہے یہ ملتوی ہو یا قائم رہے۔ حکومت برطانیہ کو اس امداد کو جاری رکھنے کی خوشی ہوگی۔ اس وعدے کے ساتھ چار ہزار بندوقوں کا تحفہ بھی دیا گیا۔ جب امیر کے خیمہ میں معاہدے کے کاغذات پر دستخط کر کے مہر لگا دی گئی تو امیر دوست محمد خاں پکارا ''اللہ اور اس کا رسول گواہ رہیں کہ میں نے حکومت برطانیہ کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا ہے۔ آگے جو بھی ہو، میں اب اسے اپنی موت تک تھامے رکھوں گا'' لہذا وہ اپنے الفاظ پر قائم رہا۔ کیونکہ اس کے انتقال کے دن بھی حکومت برطانیہ کے ساتھ اس کا عہد و پیمان قائم تھا۔ شاہ ایران، افغانستان کے حکمران کے رویہ کو اور انگریزوں کے ساتھ اس کے ازسرنو اتحاد کو دیکھتے ہوئے ہرات کے لیے اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو گیا اور افغانستان سے اپنی فوج کو واپس بلا لی۔ لہذا اس کے بعد جنگ تیزی سے ختم ہوتی چلی گئی۔ میدان جنگ میں ایرانیوں کے ساتھ افغان فوج کے تصادم سے احتراز برتا گیا۔ دریں اثناء

پنجاب انگریز سیاستدانوں کی ترقیاتی نگرانی میں خوب خوشحال ہو گیا، جن کے
ذمہ اس کے نظم و نسق کا خوشگوار مگر کٹھن فرض سونپا گیا تھا۔'' (ایضاً صفحہ ۱۰۵۲، ۱۰۵۳)

امیر افغانستان دوست محمد خاں کا ۹ جون ۱۸۶۲ کو ہرات میں انتقال ہو گیا اور ان کا بیٹا شیر علی جانشین بنا جسے انہوں نے اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر دیا تھا مگر افسوس امیر دوست محمد خان کے آنکھیں بند کرتے ہی افغانستان میں بھائیوں میں اقتدار کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی اور ہر طرف خوفناک خانہ جنگی کے شعلے بلند ہونے لگے۔ شیر علی نے ایک حرکت یہ کی کہ اس نے اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف اپنے باپ کے انگریزوں سے کئے ہوئے معاہدے کو پارہ پارہ کر کے روس سے تعلقات و روابط قائم کر لئے نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی اور مسلمان سپاہ نے نومبر ۱۸۷۸ء میں افغانستان پر حملہ کر دیا اس جنگ میں بھی مسلمانوں نے برطانوی افواج کے دوش بدوش دادِ شجاعت دی۔ چنانچہ بالآخر اپریل ۱۸۸۰ء میں انگریز پورے افغانستان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بایں ہمہ انگریزوں نے امیر دوست محمد خان سے کئے گئے معاہدہ کی بہترین اخلاق اور کمال جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورا احترام کیا اور سیاسی تاریخ میں ایک انوکھی مثال قائم کی چنانچہ ''مورّخِ پنجاب'' نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ:

''چونکہ حکومت اس ملک کو برطانوی علاقہ کے طور پر اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتی تھی، لہٰذا دوست محمد خاں کے خاندان کے زندہ بچ جانے والے سب سے بڑے فرد عبدالرحمٰن خان ....کو امیر مقرر کر دیا گیا۔ ستمبر ۱۸۸۰ء میں برطانوی فوج ...درہ خیبر کے راستے واپس ہندوستان آ گئیں۔ وقتی طور پر قلعہ کی حفاظتی افواج کو لنڈی کوتل اور علی مسجد میں رکھا گیا لیکن آخر کار انہیں بھی واپس بلا لیا گیا۔ جیسے ہی امیر عبدالرحمٰن خان نے جنوبی افغانستان پر اپنی بالادستی قائم کر لی برطانوی فوج نے قندھار کو خالی کر دیا'' (ترجمہ ''تاریخ پنجاب'' صفحہ ۱۰۷۳)

فصل ۲

الحاق پنجاب کے بعد صوبہ کی شاندار ترقی کا زرّیں دور

مورّخِ پنجاب اور پاکستان کے معروف سکالر جناب ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''الحاق پنجاب (مارچ ۱۸۴۹ء) سے اس خطے میں سیاسی، انتظامی اور معاشی تبدیلیوں کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ۱۸۵۷ء کا انقلاب برصغیر کی سیاسی و تمدنی تاریخ کا ایک فیصلہ کن موڑ تھا لیکن پنجاب میں نئے دور کا آغاز آٹھ سال قبل ۱۸۴۹ء سے ہو چکا تھا۔ ہمارے نزدیک برصغیر اور پنجاب میں اس فرق کے کچھ معقول اسباب ہیں جنہیں سمجھے بغیر نہ اس تبدیلی کو پوری طرح محسوس کیا جا سکتا ہے اور نہ پنجاب کے آئندہ حالات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ واقعات کے سلسلہ میں چند اہم تبدیلیوں کا یہاں ذکر کر دیا جائے۔

پنجاب ۱۷۵۶ء تک مغلیہ سلطنت کا ایک حصہ تھا اور یہاں کا صوبیدار، بادشاہ دہلی کی طرف سے نظم و نسق کا ذمہ دار تھا۔ دہلی پر احمد شاہ ابدالی کی یلغار (۱۷۵۶ء) کے بعد پنجاب ابدالی کی سلطنت کا حصہ بن گیا اور یہاں کے صوبیدار کا تقرر شاہ کابل کی طرف سے ہونے لگا۔ چنانچہ اسی سال لاہور کا پہلا افغان گورنر احمد شاہ ابدالی کا بیٹا تیمور خاں مقرر رہا۔ لیکن تیمور خاں اور بعد کے افغان گورنر (بلند خاں، کابلی مل وغیرہ) سکھوں کو دبانے، امن و امان قائم رکھنے اور نظم و نسق بحال کرنے میں ناکام رہے۔ حتیٰ کہ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کی طاقت کو کچل دیا اور اس سے اگلے برس ستلج پار کر کے لدھیانہ کے قریب کوٹ راہیرہ کے مقام پر سکھوں کو تباہ کن شکست دی۔ لیکن نہ تو پانی پت کی فیصلہ کن جنگ کے بعد اُس نے دہلی کو اپنی حکومت کا مستقر بنایا اور برصغیر کے سیاسی و انتظامی خلا کو دور کرنے کی

کوشش کی اور نہ کوٹ راہیرہ ہی میں سکھوں کو عبرتناک شکست دینے کے بعد پنجاب کے نظم ونسق کو بہتر بنانے کی فکر کی۔ حریفوں کو خاک وخون میں ملانے اور مال غنیمت سمیٹنے کے بعد ہر بار اس نے کابل کا رُخ کیا اور اسی روایت پر اس کے جانشین عمل پیرا رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب پر عملاً جنگجو اور تند خو سکھوں کا قبضہ ہو گیا اور ان کی مختلف مثلوں نے پنجاب کے مختلف حصوں پر اپنی اپنی بالادستی قائم کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ پنجاب کے عام مسلمان خصوصاً ان کے ظلم وانتقام کا نشانہ بنے۔ ان مظلوموں کے تحفظ کی ذمے دار نہ دہلی کی حکومت تھی اور نہ کابل کی حکومت اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکی۔ مغلیہ عہد کا خوشحال پنجاب اس دور میں ایسا بدحال ہوا کہ اس پر آنسو بہانے والا بھی کوئی نہ رہا۔ ۱۷۹۸ء میں شاہ زمان والی کابل آخری بار خراج وصول کرنے لاہور آیا اور واپسی پر دریائے جہلم سے بھاری توپیں گزارنے کے صلے میں لاہور کی حکومت کا پروانہ رنجیت سنگھ کو دے گیا جس نے ۱۷۹۹ء میں لاہور پر قبضہ کر کے ستلج اور اٹک کے درمیان اپنی حکومت قائم کر لی اور ۱۸۰۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ امرتسر کر کے پنجاب اور سرحد پر ایک خودمختار حکمران کے طور پر اپنی وفات (۱۸۳۹ء) تک حکومت کرتا رہا۔ رنجیت سنگھ کے جانشینوں کی باہمی کشمکش اور خالصہ فوج کی خودسری کی وجہ سے دس سال کے اندر سکھ راج کا خاتمہ ہوا اور پنجاب کا الحاق ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات سے ہو گیا جو پلاسی (۱۷۵۷ء) اور بکسر (۱۷۶۴ء) کی جنگوں کے بعد، جنوب میں ٹیپو سلطان اور وسطی ہند میں مرہٹوں وغیرہ کی قوت مزاحمت کو ختم کر کے بتدریج شمال میں ستلج تک پھیل چکے تھے۔

ان واقعات پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ سب سے آخر میں ہوا اور اس قبضے کی روداد برصغیر کے دوسرے علاقوں پر قبضے سے خاصی مختلف تھی۔ پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ۱۷۵۶ء سے ۱۷۹۹ء تک پنجاب بظاہر کابل کے ماتحت ایک صوبہ تھا لیکن عملاً یہاں بھی سکھ گردی کے تحت خوف ودہشت کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ ۱۷۹۹ء سے ۱۸۴۹ء تک پچاس سال یہاں رنجیت سنگھ اور اس کے جانشین حکمران رہے۔ پنجاب

اور سرحد کے لئے یہ سکھا شاہی اگرچہ سکھ گردی کے مقابلے میں نسبتاً عافیت کا دور تھا، تاہم یہاں کے مسلمانوں کے لئے پہلی اذیت (سکھ گردی) کے مقابلے میں یہ عافیت (سکھا شاہی) بھی جبر واستبداد ہی کی قدرے معتدل صورت تھی، کیونکہ اس میں نہ کوئی قانون تھا نہ ضابطہ، نہ داد تھی نہ فریاد، بس ایک مسلح مذہبی گروہ کا راج تھا جو دوسروں کو عزت آبرو سے جینے کا حق دینے کو تیار نہ تھا:

"Every sikh enjoyed all the privileges of khalsa citizenship__ exemption from taxation,liberty to oppress,and opportunity to live like a freelooter. His(Ranjit Singh's) rule was a tyranny of force.He had no system, no conception of duty to his subjects: he and his people gloried in their ignorance: in his time there were no law courts, no schools, no jails in the Punjab:the only punishment known were fines for the rich, and mutilation-- the lopping off of arm or leg-for the poor; until well into the sixties maimed specimens of his inhumanity were seen in every town and large village of the Punjab."(S.S. Thorburn: The Punjab in Peace and War, Page23)

ان حالات میں جب کہ مسلمان ایک صدی سے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے اور رنجیت سنگھ کے بعد کی لاقانونیت نے تو ہندو اور سکھ عوام کے لئے بھی مصائب پیدا کر دیئے تھے، پنجاب میں انگریزی حکومت کا قیام ایک طویل عرصہ کی جھلسا دینے والی گرم لُو کے بعد برکھارت آنے کے برابر تھا۔ اس تبدیلی پر یہاں کے عوام نے اطمینان کا سانس لیا اور زندگی کی تعمیر نو میں مصروف ہو گئے۔

انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں نظم ونسق کے قیام اور امن وامان کی بحالی پر خصوصی توجہ مبذول کی اور یہی اس وقت اس خطے کی سب سے بڑی ضرورت تھی، ان قلعوں اور گڑھیوں کو مسمار کر دیا گیا جو سکھوں نے جگہ جگہ اپنی کمین گاہوں کے طور پر بنا رکھی

تھیں۔صرف وہ قلعے باقی رہنے دیئے گئے جو دفاعی لحاظ سے کمپنی کی سپاہ کے لئے ضروری تھے۔لوگوں سے ہتھیار لے لئے گئے اور آئندہ اسلحہ رکھنے کے لئے اجازت نامہ (لائسنس) ضروری قرار دیا گیا۔گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب کے نظم ونسق پر خاص توجہ دی۔ایک انتظامی بورڈ قائم کیا گیا جس میں سول سروس کے تین لائق انگریز افسروں (ہنری لارنس، جان لارنس، چارلس مینسل) کو شامل کیا گیا اور ان کے ذمے علی الترتیب، سیاسی، مالی اور عدالتی امور کئے گئے۔بورڈ کے تحت پنجاب و سرحد کو سات کمشنریوں اور ستائیس اضلاع میں تقسیم کر کے یہاں انگریز کمشنر اور ڈپٹی کمشنر مقرر کئے گئے جن کے ماتحت یورپین اسسٹنٹ کمشنر اور دیسی ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کئے گئے۔پھر اضلاع کو تحصیلوں اور ذیلوں میں تقسیم کر کے مالیہ کی فراہمی اور اراضی کا بندوبست کیا گیا۔نیز پولیس کے حلقے (تھانے) قائم کر کے جرائم کے انسداد پر توجہ کی گئی۔تین سال کے قلیل عرصہ میں ان اصلاحات کے خاطر خواہ نتائج برامد ہوئے اور اس خطے کی زندگی معمول پر آ گئی۔مارچ ۱۸۵۲ء میں انتظامی بورڈ نے لارڈ ڈلہوزی کو رپورٹ بھیجتے ہوئے عام صورت حال کے بارے میں لکھا:

" All violant crimes have been repressed , all gangs of murderers and robbers have been broken up,and the ringleaders brought to justice. In no part of India is there now more perfect peace than in the territories lately annexed."

پنجاب کی اس وقت کی صورت حال کا یہ نقشہ بالکل صحیح ہے۔۱۸۵۳ء میں انتظامی بورڈ موقوف کر دیا اور پنجاب میں چیف کمشنری قائم کر کے سر جان لارنس کو یہاں کا پہلا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔اس کے ماتحت ایک فنانشل کمشنر اور ایک جوڈیشل کمشنر مقرر ہوئے۔سات آٹھ سال کے عرصہ میں پنجاب میں نظم ونسق قائم کرنے کے علاوہ تعمیر وترقی کے بہت سے

کاموں کا آغاز و انصرام ہوا۔مغل دور کی قدیم نہر ہنسلی (جو سکھ دور میں معدوم ہو گئی تھی) کے نقش قدم پر دریائے راوی سے مادھو پور کے مقام سے نہر باری دوآب کی کھدائی کا کام ۱۸۵۱ء میں شروع ہوا ، اور اس نہر میں ۱۸۵۹ء میں پانی چھوڑا گیا۔۱۸۵۹ء ہی میں لاہور اور امرتسر کے درمیان اولین ریلوے لائن بھی بچھائی گئی۔شاہراہوں کی تعمیر کا سلسلہ بھی اسی زمانے میں شروع ہوا۔سب سے پہلے قدیم جرنیلی سڑک کے نقش قدم پر پشاور سے لاہور تک سڑک بنائی گئی اور پھر اسے دوسرے حصوں سے ملا دیا گیا۔صوبے کے مختلف شہروں اور قصبوں میں مدرسے، شفاخانے، ڈاک خانے قائم کئے گئے۔جرائم کے انسداد کے لئے پولیس اور ملٹری پولیس (فرنٹیئر فورس) قائم کی گئیں۔مال گزاری کا بندوبست کرنے کے علاوہ پنجاب کے رسم ورواج اور مختلف مذاہب کے مطابق مجموعہ قوانین دیوانی منضبط کیا گیا۔ان تعمیری کاموں کی وجہ سے پنجاب کے شہری و دیہاتی زندگی میں طویل عرصہ کی بد انتظامی اور انتشار کے بعد سکون و اطمینان پیدا ہوا۔نہ صرف مسلمانوں کو سکھوں کے جور و استبداد سے نجات ملی بلکہ خود ہندوؤں اور سکھوں کو بھی پُرامن حالات میں اپنے اپنے پیشوں میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔اس امر کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ سکھ قوم جو چند برس پہلے پنجاب کی مالک ومختار تھی اور صرف دو تین سال قبل چیلیانوالہ اور گجرات کے خونریز معرکوں میں انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے خاک وخون میں لوٹی تھی، نئے نظام سے اتنی مانوس ومطمئن ہو گئی کہ الحاق کے تین سال بعد (۱۸۵۲ء میں) برما کی دوسری لڑائی میں اور پھر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے دوش بدوش جنگ آزادی کے سپاہیوں کے خلاف معرکہ آرا ہوئی۔خصوصاً ۱۸۵۷ء کے معرکہء انقلاب میں تو پنجاب انگریزوں کے لئے نہ صرف ایک محفوظ قلعہ ثابت ہوا بلکہ اس نازک موقع پر ان کے جنگی اقدامات کے لئے ممد ومعاون بنا۔"

(پنجاب۔تحقیق کی روشنی میں از ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صفحہ ۲۶۵ تا ۲۷۰
پبلشر سنگ میل پبلی کیشنز لاہور اشاعت ۱۹۹۱ء)

فصل ۳

غدر اور مسلمان سپاہیوں کے ''مجاہدانہ کارنامے''

اب رنجیت سنگھ اور انگریزوں کی وفادار اور جانثار فوج کے ''مجاہدانہ'' کارناموں کا مختصر سا ذکر کیا جاتا ہے۔

کتاب ''خضر حیات ٹوانہ'' کے مولف این ٹالبوٹ کی تحقیق یہ ہے کہ سکھوں کی آخری جنگ اور غدر ۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بھرپور امداد نے برطانوی راج میں ٹوانہ خاندان کو مالا مال کر دیا کیونکہ انگریزوں نے ان کے ''جہاد آزادی'' پر انہیں نقد رقوم، زرعی زمینوں اور خطابات سے نوازا اور اس بات کو یقینی بنایا کہ فوج میں پنجابی سپاہیوں میں ان کا کردار نمایاں رہے جس کی بدولت بے شمار ٹوانے انگریزی فوج میں بھرتی ہوئے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے دوران ملک صاحب خاں مٹھہ ٹوانہ نے انگریز ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں ساڑھے تین سو گھوڑ سوار مع ان کی خوراک اور اسلحہ دینے کی پیشکش دی جس کے بعد جہلم اور اجنالہ کے باغیوں کو گرفتار کیا گیا۔ جان نکلسن کی سرکردگی میں دہلی فتح کرنے والی ٹوانہ فوج کے گھوڑ سواروں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ صاحب خاں کے بھائیوں اور بھتیجوں کا لشکر جرار اس کے علاوہ تھا۔ ٹوانہ افواج نے دہلی کے باغیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بوڑھا مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا۔

غدر کے بعد

فتح دہلی کے بعد صاحب خاں اور اس کے بھائیوں کی افواج نے انگریزوں کے ساتھ کئی اور مہمات میں بھی اپنی بہادری اور ''جہاد'' کے ایسے ایسے معرکے سر کئے کہ ٹوانہ کے سپاہیوں کو

وسطی ہند کی محافظ رجمنٹ۔ مرہٹہ ہارس رجمنٹ کا حصہ دار بنا دیا گیا۔ ملک صاحب خاں نے ۱۸۶۲ء میں فوجی ملازمت کے اختتام پر ڈپٹی کمشنر مکناب کی سرپرستی سے کئی ذاتی نہریں کھدوانے کا اہتمام کیا جن سے ٹوانوں کی نیم جاگیردارانہ قوت میں نمایاں اضافہ ہوا اور جس کی بدولت ٹوانہ ریاست تقسیم ہند تک پنجاب کے سیاسی افق پر چھائی رہی۔

(تلخیص کتاب ''خضر حیات ٹوانہ'' ترجمہ صفحہ ۴۹ تا ۶۱ مترجم طاہر کامران، ناشر فکشن ہاؤس ۱۸، مزنگ روڈ لاہور)

ٹوانہ خاندان نے برطانوی حکومت کے استحکام اور اقتدار کو بڑھانے کے لئے جو ''جہاد آزادی'' کیا، یہ اس کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے۔

اس کتاب میں مندرجہ ذیل فوجی خدمات کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ جان لارنس کے ایماء پر ایڈورڈ صاحب بہادر کے ماتحت ۸۔۱۸۴۹ء میں ۴۰۰ سواروں سے امداد۔

۲۔ غدر کے دوران جرنیل وان کورٹ لینڈٹ کی سرکردگی میں ٹوانہ رجمنٹ کی سرفروشیوں کی روداد۔

۳۔ جنرل جیرالڈ کے ماتحت نارنول ضلع گاڑگاؤں کے باغیوں کا صفایا جس نے ملک فتح شیر خاں کو انگریز سلطنت کا ''جانباز سپاہی'' اور ''نمک حلال'' ثابت کیا اس کے صلہ میں خان بہادر کا خطاب دو ہزار کی دوامی جاگیر اور ۵۰۰ سو کی حین حیات پنشن انگریز سے عطا ہوئی اور انگریز مملکت کے درباریوں میں ہمیشہ ممتاز رہے۔

۴۔ ملک صاحب خاں نے مسٹر کوپر صاحب بہادر کے ماتحت پلٹن نمبر ۲۶ کے باغیوں سے اجنالہ کے باغیوں کو گرفتار کیا۔

۵۔ ملک شیر محمد خاں کے ۱۸۵۸ء میں کمانڈر انچیف کے ماتحت اودھ کی لڑائیوں میں کار ہائے نمایاں۔

(تذکرہ روسائے پنجاب (ترجمہ) جلد دوم صفحہ ۲۹۰ تا ۲۹۵ مترجم نوازش علی ناشر سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۲ء)

زبردست انتباہ:

ملحوظ خاطر رہے کہ غدر ۱۸۵۷ء میں باغیوں کو کچلنے میں پنجاب کے ہزاروں مسلمان سپاہیوں نے حصہ لیا اور فتح دہلی کے بعد انگریزی حکومت ایک فولادی قلعہ کی طرح پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئی جو پہلی جنگ عظیم تک عروج وارتقاء کی آخری منازل تک پہنچ گئی اور اس کے لئے پنجاب کے ہزاروں مسلمان سپاہیوں اور ان کے مسلم کمانڈروں نے بیش بہا قربانیاں پیش کیں اور ان میں کوئی احمدی شامل نہیں تھا کیونکہ جماعت کی بنیاد ہی برسوں بعد مارچ ۱۸۸۹ء میں رکھی گئی اور نہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا اس میں ذرہ برابر کوئی عمل دخل تھا کیونکہ آپ اسوقت قادیان کی گمنام بستی میں گوشہ نشین تھے اور آپ کے قیام سیالکوٹ کا زمانہ تو مسلمہ طور پر ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۷ء تک کا ہے۔

فصل ۴

برطانوی حکومت کی سرپرستی میں پشتو انگلش ڈکشنری کی اشاعت

ہم افغانستان کی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے ۱۸۸۰ تک امیر عبدالرحمٰن کی حکومت تک آگئے تھے (جس کے زمانہ میں شیخ عجم حضرت مولانا شہزادہ سیّد عبداللطیف کی دردناک شہادت کا خونی واقعہ رونما ہوا) لیکن اب ہم ۱۸۶۲ء کی طرف واپس آتے ہوئے عرض پرداز ہیں کہ امیر دوست محمد خاں کی زندگی کے آخری ایام میں برطانوی حکومت نے ایشیا میں پائیدار امن اور مذہبی آزادی میں فروغ اور برٹش انڈیا کی مادّی ترقیات کے لئے اپنی گزشتہ پالیسی پر نظر ثانی کرتے ہوئے ایک نئی سکیم تیار کی جس کا انکشاف بمبئی کی رجمنٹ نمبر ۳ کے کیپٹن ایچ جی ریورٹی (CAPTAIN H.G.RAVERTY) کی کتاب ڈکشنری آف دی پختو پشتو (DICTIONRY OF THE PUKHTO PUSHTO) سے ہوتا ہے جو برطانوی حکومت کی سرپرستی میں کئی سال میں تیار ہوئی اور جس کے مرتب کرنے میں برطانیہ اور ہندوستان کے تمام مشہور اداروں اور لائبریریوں اور عیسائی مشنوں نے بھرپور حصہ لیا جن میں ہندوستان کے مسلم رہنما نواب سالار جنگ، ہز ہائی نس نظام دکن، میر اکبر علی کینال آفیسر مہدو پور ضلع گورداسپور بھی تھے۔ یوں تو بنگال، مدراس، بمبئی اور پنجاب کے برطانوی افسر اس میں شامل ہوئے مگر پشاور، ہزارہ، مردان، کوہاٹ، ڈیرہ اسماعیل خاں نے سرگرم حصہ لیا۔ لغت کی تیاری میں وسط افغانستان کے غلزئی قبیلہ کے ایک عالم دین نے جن کے والد کسی وقت قاضی قندھار رہے تھے، بھرپور حصہ لیا اسی طرح ضلع پشاور میں آباد محمد زئی قبیلہ کے ایک قدیم اخوندزادہ اور پشتو زبان میں یکتائے روزگار بزرگ نے بھی اپنی شب وروز کی مساعی اس کی تکمیل کے لئے وقف کردیں۔ اس طرح انگریز مؤلف اوران فاضل علماء دین کی مساعی سے

یہ کتاب مکمل ہو کر ۱۸۶۲ء کے دوران بیک وقت ہندوستان اور ایڈنبرا (سکاٹ لینڈ) سے شائع کر دی گئی جو عیسائیت کا گڑھ اور جس کے سپاہیوں ہی نے سلطنت خداداد میسور کے سلطان ٹیپو کو شہید کر کے ہندوستان میں انگریزی اقتدار کا رستہ ہموار کیا تھا۔ یہ کتاب سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا اور انڈین کونسل کے پریذیڈنٹ رائٹ آنریبل سر چارلس وڈ بارٹ جی سی بی (SIR CHARLES WOOD BART G.C.B) کے نام پر معنون کی گئی جس سے کتاب کے برطانوی پالیسی کے ترجمان ہونے پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ہے۔

برطانوی پلان (۱۸۶۲ء)

مؤلف کتاب کیپٹن ایچ جی ریورٹی نے اپنے اکتیس صفحات کے دیباچہ میں ہندوستان میں انگریزی حکومت کے ملک گیر ہونے اور عظمت و شوکت کا ذکر جن الفاظ میں کیا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت میں وقتی طور پر ایک زلزلہ سا ضرور برپا کر دیا مگر ملکہ وکٹوریہ نے انڈیا کا اقتدار براہ راست اپنے ہاتھ میں لینے سے پانچ سال کے اندر اندر ملک کی کایا پلٹ دی اور انگریزی مملکت تیزی سے ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گئی۔ چنانچہ مصنف لکھتا ہے:

"As a means of present intercommunication and as a preparation for the future, it should be insisted upon by the British Government-- a monarchy of many kings, whose sceptre sways over the entire length and breadth of India, and the aegis of whose power casts its broad shadow over the whole East."

یہ حقیقت نمایاں کرنے کے بعد برطانوی ڈپلومیسی، پالی ٹکس اور انٹیلی جینشیا کے ماہر انگریز مصنف نے دیباچہ میں بڑے واضح اور کھلے الفاظ میں مستقبل سے متعلق اس برطانوی پلان کا ذکر کیا جس کا خلاصہ مختصر الفاظ میں یہ تھا کہ:

اوّل: پنجاب اور سرحد کے مسلمان سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے کیونکہ بغاوت کو فرو کرنے میں انگریز فوجوں کی طرح ان کا بھی مثالی کردار رہا ہے۔ اسی طرح ہندو مسلم انتہا پسندوں کی روک تھام کے لئے افغانیوں کے علاوہ سکھوں اور گورکھوں کو بھرتی کیا جانا چاہیے۔

دوم: افغانستان سے مراسم و روابط کو مزید تقویت دی جائے باوجودیکہ ایک حصہ میں فرنگی سے نفرت ہے۔ مگر ہمیں افغانستان سے کوئی خطرہ نہیں۔ افغانستان کے باشندے فارس کے قریب آباد شیعوں سے شدید نفرت رکھتے ہیں۔ میر دوست محمد خاں کے بعد خونریزی کے خطرات کو دور کرنے کے لئے ہمیں اسی طرح مداخلت کرنا پڑے گی جس طرح سکھ عہد میں کی گئی تھی۔

سوم: افغانستان تیزی سے روسی اثرات کی لپیٹ میں آ رہا ہے۔ روس واحد ملک ہے جہاں سینٹ پیٹرس برگ میں دوسری زبانوں کے ساتھ سرکاری سطح پر پشتو بھی سکھلائی جاتی ہے اس لئے ہمیں ضروری ہے کہ پشتو زبان کی طرف فوری توجہ دی جائے۔

چہارم: آخری مگر سب سے اہم نکتہ یہ پیش کیا گیا کہ افغانستان کے باشندے اسرائیل کے گمشدہ قبائل کا حصہ ہیں اور ان کی زبان میں انجیل کا ترجمہ شائع کرنا ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر سرحد اور افغانستان کو عیسائیت کی آغوش میں لانے کے لئے پشتو زبان کی لغت کی اشاعت وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

برٹش انڈیا میں عیسائی مشنوں کا جال

برطانوی پالیسی کے مطابق ۱۸۶۲ء کے پہلے تین نکات پر کتاب منظر عام پر آنے کے بعد ملک بھر کے سول اور فوجی حلقوں میں پہلے سے زیادہ توجہ دی جانے لگی اور ''مسلمانانِ ہند'' کے جہادی جذبات میں جو تلاطم برپا تھا وہ روز بروز بڑھنے لگا۔ جہاں تک برطانوی پلان کے نکتہ چہارم کا تعلق ہے اس پر برطانوی حکومت نے الحاق پنجاب (مارچ ۱۸۴۹ء) کے معاً بعد زور شور سے عمل شروع کر دیا تھا اور برصغیر کے طول و عرض میں صلیبی مشنوں کا جال بچھا کر کلمہ گو مسلمانوں کو عیسائیت کے آغوش میں لانے کے تباہ کن منصوبوں پر عمل اور بھی تیز تر کر دیا۔ ۱۸۶۲ء یعنی پشتو

ڈکشنری کی اشاعت کے ساتھ ہی انگلستان کے وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن اور وزیر ہند سر چارلس وڈ سے آرچ بشپ آف کنٹربری کی قیادت میں ایک وفد نے ملاقات کی۔ وفد میں ہاؤس آف کامنز اور ہاؤس آف لارڈز کے ممبر بھی شامل تھے۔ وزیر ہند نے اس وفد سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"میرا ایمان ہے کہ ہر وہ نیا عیسائی جو ہندوستان میں عیسائیت قبول کرتا ہے انگلستان کے ساتھ ایک نیا رابطہ اتحاد بنتا ہے اور ایمپائر کے استحکام کا موجب بنتا ہے"

("THE MISSION" BY R. CLARK LONDON : P 234)

اس موقعہ پر وزیر اعظم نے انگریزی سلطنت کی مستقبل کی پالیسی کا ان الفاظ میں نمایاں ذکر کیا:

"میں سمجھتا ہوں ہم سب (یعنی پادری اور انگریزی حکومت کی انتظامیہ۔ ناقل) اپنے مقصد میں متحد ہیں (یہ ہمارا فرض ہی نہیں بلکہ ہمارا مفاد بھی اسی میں وابستہ ہے کہ ہم عیسائیت کی تبلیغ کو جہاں تک ہو سکے، فروغ دیں اور ہندوستان کے کونے کونے میں اسے پھیلا دیں" (ایضاً)

اسی طرح کیمبرج شارٹر ہسٹری آف انڈیا مطبوعہ کیمبرج پریس کے صفحہ ۷۱۵،۷۱۶ میں لکھا ہے:

"خدا تعالیٰ نے اپنی مشیت کے ماتحت ہندوستان کو برطانیہ کے ہاتھ میں اس لئے دیا ہے کہ لوگوں کو عیسائی بنایا جا سکے"

لارڈ لارنس (۱۸۶۴۔۱۸۶۹) نے واضح طور پر اعلان کیا:

"کوئی چیز بھی ہماری سلطنت کے استحکام کا اس سے زیادہ موجب نہیں ہو سکتی کہ ہم عیسائیت کو ہندوستان میں پھیلا دیں" (ترجمہ)

(LORD LAWRENS, LIFE VOL 2 P:313)

مشنوں کی تاریخ سے ثابت ہے کہ سیالکوٹ کا سکاچ مشن خاص طور پر جنگی مقاصد کی تکمیل کے لئے قائم کیا گیا۔ خدا کی مصلحت خاص سے کاسر صلیب حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کو خلوت گزینی سے فطری نفرت کے باوجود اپنے والد ماجد کے حکم پر ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۷ء تک سیالکوٹ کچہری میں ملازمت کرنا پڑی جس کے دوران آپ نے عیسائی مشنریوں کے چھکے چھڑا دئے اور ان کا ناطقہ بند کر دیا جس کا اعتراف سر اقبال کے استاد اور سکاچ مشن کے پروفیسر مولانا حافظ سیّد میر حسن شاہ سیالکوٹی (ولادت ۱۸/ اپریل ۱۸۴۴ء وفات ۲۵/ ستمبر ۱۹۲۹ء) نے اپنے خود نوشت اور چشم دید بیان میں بھی کیا جو پہلی بار اکتوبر ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے "حیاۃ النبی" جلد اوّل صفحہ ۵۹۔۶۲ میں شائع کیا۔ دوسری مرتبہ ۱۹۲۳ء میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے ان سے رابطہ کر کے پورا بیان ان کے قلم سے لکھا ہوا دوبارہ حاصل کیا اور اسے سیرت المہدی حصّہ اوّل صفحہ ۱۵۴ پر زیب اشاعت فرمایا۔ یہ تو کاسر صلیب کے عیسائیت کے خلاف جہاد کا نقطہ آغاز تھا۔ جس کے بعد اگرچہ انگریز افسروں اور پادریوں نے آپ کے خلاف مخالفت کے شدید طوفان اٹھائے حتی کہ اقدام قتل کے مقدمے بھی دائر کئے گئے مگر آپ دیوانہ وار آخری دم تک ردّ عیسائیت اور دفاع اسلام کے جہاد میں سرگرم عمل رہے۔ یہ مدافعت کس فاتحانہ شان کی تھی؟ اس کا زبردست اعتراف کرتے ہوئے مولانا نور محمد صاحب نقشبندی چشتی مالک اصح المطابع دہلی نے لکھا:

"ولایت کے انگریزوں نے روپے کی بہت بڑی مدد کی اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لیکر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا..... تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور پادری اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو، دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو چکا ہے اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں..... اِس ترکیب سے اس نے نصرانیوں کو اتنا تنگ کیا کہ اس کو پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ **اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی۔"**

(دیباچہ قرآن صفحہ ۳۰ بر ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی مطبوعہ دہلی)

فصل ۵

دلچسپ فرضی کہانی

ان حقائق کے باوجود ۱۹۲۳ء میں ''حزب الوطنی مصری'' کی طرف سے مسجد احمدیہ برلن کی بنیاد کے موقع پر جرمن پریس میں یہ شر انگیز پراپیگنڈہ کیا گیا کہ بانی جماعت احمدیہ معاذ اللہ دراصل برٹش امپیریلزم کے ایجنٹ تھے اور یہ مسجد انگریزوں کی مدد سے تعمیر ہو رہی ہے۔ خدا کی قدرت دیکھئے ان بیانات کے بعد پہلی جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کے باعث جرمنی خوفناک معاشی واقتصادی بحران کا شکار ہو گیا اور جرمن سکہ کی قیمت نا قابل یقین حد تک گر گئی جس پر سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایت پر نہ صرف مسجد کی تعمیر بالکل رک گئی بلکہ جرمنی کا احمدیہ مشن بھی فوراً بند کر دینا پڑا اور احمدی خواتین نے مسجد کے لئے جو چندہ جمع کیا تھا وہ سیّدنا محمودؓ کے حکم پر مسجد فضل لندن کے اخراجات میں منتقل کر دیا گیا۔ ازاں بعد ۸۵ سال بعد سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خدا کے فضلوں کا منادی بن کر ۱۶ /اکتوبر ۲۰۰۸ء کو مسجد خدیجہ کا افتتاح فرمایا۔ یہ عالیشان اور تاریخی مسجد حضرت مصلح موعودؓ کی خواہش کے مطابق خالص احمدی مستورات کی بے مثال مالی قربانیوں سے تعمیر ہوئی اور اس کو ڈیزائن بھی فرنکفورٹ کی ایک خاتون مکرمہ مبشرہ الیاس صاحبہ نے کیا جو مکرم محمود احمد اختر صاحب کی صاحبزادی اور راقم الحروف کے برادر نسبتی محمد مکی زاہد صاحب (ابن شاعر احمدیت مکرم ماسٹر محمد ابراہیم صاحب شاد) مقیم فرنکفورٹ کی نسبتی بہن ہیں۔ وذالک فضل اللہ یؤتیه من یشاء

اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ ''حزب الوطنی مصری'' نے تو ۱۹۲۳ء میں وقتی طور پر مفتریانہ بیان جاری کیا تھا مگر آل انڈیا کانگرس کے اجلاس راوی (دسمبر ۱۹۲۹ء) میں قائم ہونے والی کانگرس کی خود کاشتہ اور اس کی ایجنٹ پارٹی مجلس احرار نے ۱۹۳۴ء میں نہ صرف اسے باقاعدہ اپنا نعرہ

بنا لیا بلکہ اس فراڈ اعظم کو تحفظ ختم نبوت کا نام دے کر ہر تحریر، ہر اجلاس، ہر خطبہ اور ہر کانفرنس میں اس کو اس درجہ عام کر دیا ہے کہ انہیں گوئبلز کی طرح دنیا کو یہ باور کرانے میں کوئی شرم وحیا حائل نہیں کہ بانی سلسلہ درحقیقت برطانوی ایجنٹ تھے اور جماعت احمدیہ انگریزوں کی جاسوس جماعت ہے۔

مضحکہ خیز تفصیل

''معتبر نائی'' کا کمال اور چابکدستی ملاحظہ ہو کہ اس نے اپنے ثبوت میں ایک سراسر جھوٹی کہانی بھی وضع کر لی ہے۔ یہ کہانی دجل وافترا کا شاہکار ہے جس نے مذہب کی پانچ ہزار سالہ تاریخ میں خدا کے پاک سلسلوں کے خلاف خود ساختہ واقعات اور مفتریات کے سارے ریکارڈ مات کر دئے ہیں۔ ایک رسوائے عالم احراری ملاّ طارق محمود فیصل آبادی کی زبانی اس کہانی کی مضحکہ خیز تفصیل سنئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

> ''برٹش پارلیمنٹ اور چرچ آف انگلینڈ کے اراکین نے ایک کانفرنس بلائی، جس میں ہندوستان کے نمائندہ مشنریوں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ برطانوی کمشن اور مشنریوں کی طرف سے ہندوستان میں مذہبی تخریب کاری کے پروگرام کی دو الگ الگ رپوٹیں تیار ہوئیں، جن کو یکجا کر کے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا ورود (The Arrival of British Empire in India) کے نام سے مرتب ہوئی جس میں علاوہ دیگر امور کے سامراجی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک ایسی مذہبی نبوت کی ضرورت بیان کی گئی تھی جو مسلمانوں میں اُٹھ کر پروان چڑھے اور ان کی ہدایات پر کام کرے۔
>
> رپورٹ کو مدِ نظر رکھ کر تاج برطانیہ کے حکم پر ایسے موزوں اور بااعتبار

شخص کی تلاش شروع ہوئی، جو برطانوی حکومت کے استحکام اور عملداری کے تحفظات میں الہامات کا ڈھونگ رچا سکے، جس کے نزدیک تاج برطانیہ کے مراسلات وحی کا درجہ رکھتے ہوں، جو ملکہ معظّمہ کے لئے رطب اللسان ہو۔ برطانوی حکومت کی قصیدہ گوئی اور مدح سرائی جس کی نبوت کا دیباچہ ہو۔ برطانوی شہ دماغوں نے ہندوستان میں ایسے شخص کے انتخاب کے لئے ہدایات جاری کیں۔ پنجاب کے گورنر نے اس کام کی ڈیوٹی ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے ذمہ لگائی، چنانچہ ''برطانوی معیار'' کے مطابق نبی کی تلاش کا کام شروع ہوا۔ آخر کار قرعہ فال منشی غلام احمد قادیانی کے نام نکلا۔

برطانوی ہند کی سنٹرل انٹیلی جنس کی روایت کے مطابق ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے چار اشخاص کو انٹرویو کے لیے طلب کیا۔ ان میں سے مرزا غلام احمد قادیانی نبوت کے لیے نامزد کیے گئے۔''

(''کادیانیت کا سیاسی تجزیہ'' جلد اوّل صفحہ ۱۴۷ ناشر ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' ملتان۔ اکتوبر ۱۹۹۳ء)

نوٹ: جماعت احمدیہ کے بین الاقوامی شہرت یافتہ مرکز کا نام قادیان ہے البتہ کرنال میں ایک بستی ''کادیان'' ہے جس کا تحریک احمدیت سے کوئی تعلق نہیں (''ذاتوں کا انسائیکلو پیڈیا مترجم یاسر جواد۔ صفحہ ۲۹۹ ناشر بک ہوم لاہور۔ اشاعت ۲۰۰۳ء) ملّا صرف کنوئیں کا مینڈک ہے لہذا اس کی بے بصیرتی اور تعصب وعناد پر جتنا بھی ماتم کیا جائے، کم ہے۔

تنقیدی زاویہ نگاہ سے ایک نظر

اس افتراء عظیم کی قلعی ان صاحب نے اس کتاب میں یہ اعتراف کر کے خود ہی کھول دی ہے کہ:

''برطانوی وفد ایک سال (یعنی ۱۸۶۹ء میں ناقل) رہا اور حالات کا

جائزہ لیا اور ۱۸۷۰ء میں وائٹ ہاؤس میں اس وفد کا اجلاس ہوا.... اس وفد نے ''THE ARRIVAL OF BRITISH EMPIRE IN INDIA'' کے نام سے دو رپورٹیں لکھیں۔'' (صفحہ ۱۴۲)

اب کیا کوئی صاحب عقل یہ باور کرنے کے لیئے تیار ہو سکتا ہے کہ برطانوی وفد کی ۱۸۷۰ء کی رپورٹ پر ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو انگریزی نبی اور برطانوی ایجنٹ کے طور پر نامزد کیا جبکہ حضرت اقدس ۱۸۶۷ء میں ملازمت ترک کر کے مستقل طور پر قادیان میں خلوت نشین ہو چکے تھے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود مسلمانوں کی عظیم ریاستیں اور بیشمار مسلمان سپاہی انگریزی فوج کے دوش بدوش ملک کے دفاع اور قائم شدہ حکومت کے استحکام کیلیئے مدتوں سے جان کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ ایک شاعر نے ملاّ کی ذہنیت کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں کھینچا ہے اور ملت اسلامیہ کی خوب ترجمانی کی ہے۔

امن وسلام وعفو کی شرح مبین اور ہے　　قتل وفساد وظلم کی خونیں مشین اور ہے
یوں تو فقیہہ شہر بھی ذکر میں طاق ہے مگر　　وہم وگمان اور ہے صدق ویقین اور ہے

حق یہ ہے کہ ۱۸۶۹ء میں اس نوع کا نہ کوئی سیاسی وفد برٹش انڈیا میں آیا اور نہ کسی ایسی رپورٹ کا آج تک کوئی نام ونشان مل سکا ہے جس کا مدّتوں سے منبر ومحراب سے حوالہ دیا جا رہا ہے۔ یہ محض ایک من گھڑت کہانی اور دجل وتلبیس کی بدترین مثال ہے۔ عرصہ ہوا خاکسار کی کتاب ''مذہب کے نام پر فسانہ'' کے ذریعہ اصل حقائق منظر عام پر آ چکے ہیں۔ مگر بقول ساحر لدھیانوی ؎

نئے لباس میں ہے رہزنی کا جلوس

اکاذیب کا نیا دفتر

۱۹۸۹ء میں دنیا بھر کے احمدیوں نے قیام جماعت کا صد سالہ جشن تشکر پوری

شان و شوکت سے منایا جس نے حضرت مسیح موعودؑ کی حقانیت پر دن چڑھا دیا کیونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو بھی مسلم ہے ”نظام عالم میں جہاں اور قوانین خداوندی ہیں یہ بھی ہے کہ کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے.... خدا نے کبھی کسی جھوٹے نبی کو سرسبزی نہیں دکھائی۔

(تفسیر ثنائی[1] صفحہ ۱۷ مع حاشیہ مطبوعہ امرتسر ۱۳۱۳ھ/مطابق ۱۸۹۶ء)

خدائی عدالت کے اس فیصلہ اور اس کی نصرت کے اس آسمانی نشان سے احراری بوکھلا اٹھے اور دروغ گوئی کا نیا دفتر کھول لیا چنانچہ ایک تو یہ مفتریانہ پراپیگنڈا کیا کہ:

”جرمنی اور برطانیہ میں قادیانیوں کے سالانہ اجتماعات کے تمام اخراجات جو کروڑوں ڈالر میں ہوتے ہیں، وہ غیر مسلم ادا کرتے ہیں“

(این جی اوز صفحہ ۱۲۰ از انور ہاشمی پبلشر فیکٹ پبلیکیشنز لاہور)

اس شرانگیز پراپیگنڈا کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ نام نہاد ”محافظین ختم نبوت“ اور فرقہ پرست جماعتوں کی دہشت گردی پر کسی طرح پردہ ڈالا جا سکے۔ ملک کے ممتاز محقق اور نامور مفکر جناب موسیٰ خان جلال زئی نے اپنی کتاب ”این جی اوز“ میں سنسنی خیز انکشاف کیا ہے کہ:

”پی او این جی اوز کی طرح آر این جی اوز بھی ہیں جو مذہبی تنظیمیں اور اس وقت پاکستان کی جو سیاسی صورتحال ہے اور جو عدم استحکام ملکی صورتحال میں پایا جاتا ہے اس میں زیادہ تر حصہ ان مذہبی تنظیموں کا ہے جن کی سیاست ملک کے نام پر چمک رہی ہے لیکن اصل میں وہ غیر ملکی اداروں سے فنڈز لیتی ہیں اور پھر ملک میں موجود مذہبی گروپوں اور تنظیموں

[1] افسوس صد افسوس اس تفسیر کے پاکستانی ایڈیشن سے یہ پوری عبارت مع اس کے حاشیہ کے خارج کر دی گئی ہے۔ یہ ایڈیشن میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی نے چھپوایا ہے۔

کو پیسہ اور اسلحہ فراہم کرتی ہیں... اس سے دن بدن ملک کی جڑیں کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جا رہی ہیں“

(صفحہ ۱۷ ناشر فیروز سنز لاہور اشاعت ۲۰۰۰ء)

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب
آستیں میں دشنہ پنہاں ہاتھ میں خنجر کھلا (غالب)

دوسرے یہ خالص گپ ایجاد کی کہ ۱۸۵۷ء میں انگریز جنرل نکلسن نے ”مرزا غلام احمد کو وفاداری کے صلے میں قادیان کے حقوق ملکیت دئے“

(اہم واقعات صفحہ ۱۵ از امتیاز خورشید شائع کردہ فیروز سنز طبع اوّل ۱۹۹۸ء)

۱۸۵۷ء میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی عمر مبارک صرف بائیس سال تھی اور آپ ان دنوں اپنے گھر میں خلوت نشین تھے اور ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ لہذا آپ کا جنرل نکلسن کی کمان میں فوجی کارروائی میں حصہ لینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مستند برطانوی مورخ C.E. DUCKLAD نے جنرل نکلسن کی سوانح میں لکھا ہے کہ بغاوت فرو کرنے کے لئے ۱۷/اگست ۱۸۵۷ء کو دہلی پہنچا اور ۲۳/ستمبر ۱۸۵۷ء کو مارا گیا۔

(DICTIONARY OF INDIAN BIOGRAPHY صفحہ ۵۱۳ مطبوعہ لندن یکم نومبر ۱۹۰۵ء)

پھر یہ بھی سوال ہے کہ جنرل نکلسن فوجی افسر تھا۔ اسے حقوق مالکانہ دینے کے حقوق حاصل نہیں تھے بایں ہمہ اگر اس نے دہلی میں چند ہفتے کی لڑائی کے دوران ایسی حرکت کی ہے تو اس کی دستاویز کہاں ہے؟ کیا احرار کے مرکزی دفتر میں ہے یا اسے ”امیر شریعت“ کے ساتھ ہی ملتان میں دفن کر دیا گیا ہے۔

دوستو ایک نظر خدا کے لئے
سید الخلق مصطفیٰ کے لئے

حدیث نبوی کے مطابق دجّالوں کا ظہور

حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک الفاظ یہ ہیں:

''یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث مالم تسمعوا انتم ولا اٰباء کم فایاکم وایاھم لا یضلّونکم ولا یفتنونکم'' (راوی ابوھریرہ مسلم جلد ۱ صفحہ ۷)

اوّل المکفرین مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ ''اشاعت السنہ جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۴، ۱۷۵ میں یہ حدیث درج کرکے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

''آخری زمانہ ایسے دجال کذّاب پیدا ہوں گے جو تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جن کو تم نے نہ سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپوں نے۔ ان سے بچتے رہنا۔ وہ تم کو گمراہ نہ کردیں اور کسی بلا میں نہ ڈال دیں، امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے کہ سب نے کہا کہ جو جھوٹا ہے وہ دجال ہے۔ بعض نے کہا ہے دجّال وہ ہے جو باطل پر حق کا ملمع چڑھاوے یا حق کو باطل سے ڈھانک دے''

تحریک احمدیت کی بنیاد سے ایک سال پیشتر برصغیر کے ایک بزرگ عالم سیّد ابوبکر شاہ آبادی نے مطبع مفید عام آگرہ سے ''کشف اللثام عن غربت اسلام'' کتاب شائع کی جس میں یہی حدیث نبوی درج کرکے لکھا:

''اس تیرہ صدی سے گویا تمام دنیا میں اب یہی ایک کام باقی رہ گیا ہے یعنی نام کے مسلمانوں میں خواہ مولوی صاحب ہوں .....سوا اباطیل عقائد و فساد احکام و محو شعائر اسلام کے کوئی شغل دوسرا کسی شخص کو نہیں ہے۔''

(صفحہ ۱۶۔۱۷)

تاریخ میں دجل و تلبیس کے خوفناک اثرات

مورّخ پاکستان جناب ڈاکٹر مبارک علی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ جب تاریخ کو مسخ کردیا جائے تو پھر اسے اس کے اصلی رنگ وروپ میں لانے کے لئے کئی نسلوں کی ضرورت ہوتی ہے جو تاریخ کو سمجھ کر غلط فہمیوں کو دور کرکے اور مفروضوں کو پاش پاش کرکے تاریخ کو نئے سرے سے تعمیر و تشکیل کریں۔ تاریخ میں مسلسل جھوٹ کو جب ذرائع ابلاغ عامہ اور نصابی کتابوں کے ذریعہ پھیلایا جاتا ہے تو یہ طالب علموں اور عوام کے ذہن و دماغ میں بیٹھ جاتا ہے اور وہ اس کو صحیح تسلیم کرکے اس سے جذباتی لگاؤ پیدا کرلیتے ہیں۔ اس لئے جب تاریخ سے جھوٹ نکال کر سچ پیش کیا جاتا ہے تو ان کے ذہن اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیتے ہیں اور اس عمل میں مورخوں کو اور ایسے مورخوں کو جو اس ماحول میں رہتے ہوئے سچ کو پیش کرنے کی جرأت کریں، ایک تکلیف دہ عمل سے گزرنا پڑتا ہے اور اس جھوٹ کو قوم کی اجتماعی یادداشت سے نکالنے کے لئے جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔

کیونکہ مسخ تاریخ نسلوں کو تباہ کردیتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں نفرت و تعصب پروان چڑھتا ہے، ذہنی ارتقاء رُک جاتا ہے اور زندگی کے بارے میں محدود نقطہ نظر پیدا ہوجاتا ہے، فرقہ واریت چھوٹی قومیت اور فاشزم کی طاقتیں معاشرے میں پھیل جاتی ہیں اور عوام ان تضادات کے درمیان اس طرح سے گھر جاتے ہیں کہ وہ اپنے اصلی اور بنیادی مسائل کو بھول جاتے ہیں۔''

(المیہ تاریخ صفحہ ۲۵۸۔۲۵۹۔ ناشر فکشن ہاؤس ۱۸ مزنگ روڈ لاہور ۱۹۹۹ء)

فصل ۶

وکٹوریہ کا زرّیں عہد حکومت اور برٹش انڈیا کے مسلم مبصّرین

ملکہ وکٹوریہ (۱۸۱۹ء۔۱۹۰۱) کے امن پرور اور زرّیں دورِ اقتدار کو اس زمانہ کے مسلم مبصّرین نے زبردست خراجِ تحسین ادا کیا جو برٹش انڈیا کی تاریخ کا سنہری باب ہے۔ چند نابغہ روزگار شخصیات کے شعری افکار و نظریات زیبِ قرطاس کرتا ہوں۔

علّامہ الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء۔۱۹۱۴ء)

ہے تری نیکی سے امید اے زمیں کے بادشا / آسمانی بادشاہت میں خدا دے تجھ کو جا
کرلیئے تھے سب یگانوں اور بیگانوں کے دل / نیکیوں سے تو نے اپنی فتح اے وکٹوریہ
ہے دلیل اس کے لیئے کافی فقط تیری مثال / مرد پر عورت فضیلت کا کرے گر ادّعا
کیجیے اقبال مندی پر اگر تیری نظر / سامنے تیرے نہیں جچتا کوئی کشور کشا
مرتبہ ہے جو کہ سرحدِ تصوّر سے پرے / قوم کو واں تک ترے اقبال نے پونہچا دیا
کی تجارت نے ترقی عہد میں یہاں تک ترے / سلطنت ہے اُس کے آگے ہیچ بے چون و چرا
جس قدر علمی فتوحات اس زمانے میں ہوئیں / دہر کی تاریخ میں ملتا نہیں اُن کا پتا
علم میں روزِ ازل سے تھی جو اک طاقت نہاں / صاحبی میں تیری یہ راز آشکار ہوگیا
ہوگئے ہر برّاعظم میں ترے برپا علم / تیرے بیڑے اور جہازوں سے سمندر پٹ گیا
شاعروں کے جس قدر مدح سلف میں تھے غلو / حق میں تیرے وہ حقائق بن گئے سرتاپا
تھی خبر کس کو ہو اک خردل کا پیڑا تنا بڑا / جس کی شاخوں پر کریں بسرام مرغانِ ہوا
دستِ قدرت نے بنایا گو کہ تھا عورت تجھے / پر جواں مردوں پہ تھی عالم کے فوقیت تجھے

سچ ہے وہ وارث زمیں کے ہوں گے جو ہوں گے حلیم / حلم سے اپنے ملی آفاق میں مکنت تجھے
وہ تسلّی پائیں گے دنیا میں جو جھیلیں گے غم / ہو چکے غم بس تسلّی دے گی اب راحت تجھے
تو مبارک تھی کہ تجھ کو صلح تھی دل سے پسند / دے گا فرزندی کا اب اپنی خدا خلعت تجھے
تو مبارک تھی کہ تھا پہلو میں تیرے پاک دل / ہو مبارک خلد میں دیدار کی نعمت تجھے
ملک میں اک نور تھی تو جیسے ڈیوٹ پر چراغ / دیکھ کر ہوتا تھا روشن ملک اور ملت تجھے
فرد تھی اقبال میں تو بے نظیر اخلاق میں / تیرے مرنے سے ہی سناٹا سا اک آفاق میں
ہو گیا برٹن تو تیرے عہد دولت میں نہاں / ہم پہ بھی کچھ کم نہیں برسا ترا ابر نوال
شکر بندوں کا خدا کے جو نہیں کرتے ادا / وہ نہیں لاتے بجا شکر خدائے ذوالجلال
ہند نے پایا ترے دورِ حکومت میں وہ امن / اگلے دوروں میں نہ تھا جس کا کبھی خواب و خیال
لی گئی قحط اور وبا میں ملک کی جو یاں خبر / تھا زمانہ تیرا اُس میں آپ ہی اپنی مثال
شکر آزادی کا تیرے عہد کے ممکن نہیں / سب کا اس احسان میں جکڑا ہوا ہے بال بال
الغرض اس سے سوا خوبی نہ تھی امکان میں / کرگئی تو راج جس خوبی سے ہندوستان میں

("واقعات دارالحکومت دہلی" صفحہ ۸۱۷ تا ۸۲۷ مصنفہ بشیرالدین احمد ۱۹۱۹ء)

مولانا سیّد اکبر حسین اکبرالہ آبادی ۱۸۴۶۔۱۹۲۱ء

قصیدہ مبارک بادِ جشنِ جوبلی ملکۂ وکٹوریہ قیصرہ ہند

حسب ایما مسٹر باول صاحب جج ۱۸۷۷ء

زمانے میں خوشی کا دور ہے، عشرت کا ساماں ہے
برنگِ گل، ہر اک باغِ جہاں میں آج خنداں ہے
کوئن وکٹوریہ کی جوبلی کی دھوم ہے ہر سو
ادھر ہے نغمۂ عشرت، ادھر نورِ چراغاں ہے

جدھر دیکھو ، کھلی پڑتی ہیں کلیاں صحنِ گلشن میں
بھرا جوشِ مسرّت ہے ہر اک مرغِ خوش الحاں ہے

بسانِ بوئے گل ہر اک ہے باہر اپنے جامے سے
نسیمِ گلشنِ عیش و مسرت عطر افشاں ہے

چمک کر ہو گیا زیرِ فلک رشکِ قمر ہر گھر
یہی شب ہے کہ جس کا نور رشکِ مہرِ تاباں ہے

فروغ اپنا جو دکھلاتی ہیں آتش بازیاں ہر سُو
کواکب مضمحل ہیں ، دیدۂ افلاک حیراں ہے

کہیں ہے رقص کی محفل ، کہیں ہے جلسۂ دعوت
کہیں تصویر بنتی ہے ، کہیں سروِ چراغاں ہے

کہیں خیرات خانے جاری ہوتے ہیں ، کہیں مکتب
کہیں تقسیم کپڑوں کی پئے فصلِ زمستاں ہے

اثر جوشِ مسرت کا ہے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر
کوئی فرماں روا ہے کوئی کم مایہ دہقاں ہے

کوئی ہے محوِ آسائش ، کوئی مصروفِ آرائش
شگفتہ مثلِ گل چہرہ ہے ، دل شاداں فرحاں ہے

تعجب کیا اگر ایسی خوشی ہے اہلِ عالم کو
یہ حیرت کیا جو قیصر کا ہر اک دل سے ثنا خواں ہے

سریر آرائی پنجاہ سالہ خیر و خوبی سے
محفلِ لطف باری ہے ، مقامِ شکرِ یزداں ہے

یہی ہندوستاں سب کہتے ہیں جنت نشاں جس کو
کوئن وکٹوریہ کے عہد میں رشکِ گلستاں ہے

رئیس امن و اماں سے ناظرِ حال ریاست ہیں
ہری کھیتی زمینداروں کی ہے ، سرسبز دہقاں ہے

کی بدلی کرے گر قطرہ افشانی میں کیا پروا
کہ فیضِ نہر امانِ زمین پر گوہر افشاں ہے

نظر سلطان کی ہے خاص تعلیم رعایا پر
اشاعت علم کی یہ ہے کہ سب عقل حیراں ہے

ہزاروں مدرسے قائم ہوئے ہیں ، سینکڑوں کالج
جہاں فکرِ ارسطو بھی بس اک طفلِ دبستاں ہے

جہاں چلتا نہ تھا کچھ زور ، واں اب ریل چلتی ہے
میسّر خاکساروں کو بھی اب تختِ سلیماں ہے

نہ کچھ کھٹکا ہے چوروں کا ، نہ قزاقوں کی ہے دہشت
رواں بے زحمت و خوف و خطر ہر سمت انساں ہے

تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری
کہ سامانِ معیشت جنسِ دل سے بھی ارزاں ہے

طلسمِ تازہ دیکھا کارخانہ تار برقی کا
زبانِ تار پر وہ بات ہے جو دل میں پنہاں ہے

شبِ تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبالِ قیصر کا
کہ ہر ذرّہ نگاہِ درد میں مہرِ درخشاں ہے

رعایا کے حقوق اب ہر طرح محفوظ رہتے ہیں
ادھر قانون حامی ہے ، ادھر حاکم نگہباں ہے
محبت بڑھ رہی ہے فاتح و مفتوح میں باہم
گرہ جو دل میں تھی ، وہ اب مثالِ دُرّ غلطاں ہے
پریس کو بھی ہے عہد امپرسؒ میں کامل آزادی
زبانِ خامۂ مضموں نگاراں سیف بُرّاں ہے
توجہ ہے مفید عام کاموں کی طرف سب کی
کوئی ہے علم کا طالب ، ہنر کا کوئی خواہاں ہے
شفا خانوں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو
پئے ہر رنج راحت ہے ، پے ہر درد درماں ہے
خلوص و صدقِ دل سے ہے دعا ہندو مسلماں کی
کہ یا ربّ جب تلک یہ گردشِ گردوں گرداں ہے
فروغ مہر ومہ سے جب تلک مرکز تمنّا کا
ہوائے آرزو جب تک محیطِ قلب انساں ہے
خدا کے نام کی عزّت ہے جب تک اہل دانش میں
تجلّی علم کی جب تک چراغِ راہِ عرفاں ہے
ہماری حضرتِ قیصر رہیں اقبال و صحت سے
کہ جن کا آفتاب عدل اس کشور پہ تاباں ہے

(کلیات اکبر حصہ اوّل)

شاعرِ مشرق سر محمد اقبال (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء)

جناب محمد عبداللہ قریشی تحریر فرماتے ہیں:

اشکِ خُوں

دس بند یا ایک سو دس شعر کا یہ ترکیب بند اس ماتمی جلسے میں پڑھا گیا جو ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ ملکہ کا انتقال ۲۲/جنوری ۱۹۰۱ء کو ہوا۔ اتفاق سے اس روز عید الفطر تھی۔ پہلے دو بندوں میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یہ مرثیہ مطبع خادم التعلیم میں چھاپ کر کتابچے کی شکل میں شائع کیا گیا تھا۔

میّت اُٹھی ہے شاہ کی تعظیم کے لئے
اقبال اڑکے خاکِ سرِ رہ گزار ہو
مدّت کے بعد تجھ کو ملے ہیں غمِ فراق
ہم تجھ پہ صدقے جائیں تو ہم پر نثار ہو
چلتے رہ حیات ، مگر گھات میں خوشی
کونے لگی ہوئی نہ سرِ راہ گزار ہو
آئی ادھر نشاط ، ادھر غم بھی آگیا
کل عید تھی تو آج محرّم بھی آگیا
شاہی یہ ہے کہ آنکھ میں آنسو ہوں اور کے
چلّائے کوئی درد کسی کے جگر میں ہو
جو بات ہو صدا ہو لبِ جبرئیلؑ کی
تقدیر کی مُراد دلِ داد گر میں ہو
ہو چشم معدلت کے ستارے کی روشنی
مانگے اماں عدو تو مرّوت نظر میں ہو
اقلیم دل کی آہ شہنشاہ چل بسی
ماتم کدہ بنا ہے دلِ داغدار آج
تو جس کی تخت گاہ تھی اے تخت گاہِ دل
رخصت ہوئی جہان سے وہ تاجدار آج
فرماں نہ ہو دلوں پہ تو شانِ شہی نہیں
سونے کا تاج کوئی نشانِ شہی نہیں
شہرت کے آسمان پہ روشن ہو اس طرح
ہو مہر میں وہ نور ، نہ وہ ضو قمر میں
فرمان ہوں دلوں کی ولایت میں اس طرح
جس طرح نور رشتۂ تارِ نظر میں ہو
اے ہند تیری چاہنے والی گزر گئی
غم میں ترے کراہنے والی گزر گئی

اے ہند تیرے سر سے اٹھا سایۂ خدا　　اک غم گسار تیرے مکینوں کی تھی گئی
برطانیہ تو آج گلے مل کے ہم سے رو　　سامانِ بحر ریزیٔ طوفاں کیے ہوئے
اُٹھا وہ ابر گوشۂ مغرب سے شعلہ ریز　　مشرق سے بڑھ کے ہند پہ آکر برس گیا
وہ ضربِ غم لگی ہے کہ ٹوٹا ہے بند بند　　کیا مرغِ روح توڑ کے اپنا قفس گیا

(باقیاتِ اقبال صفحہ ۲۷۷ تا ۸۷ کا انتخاب۔ مرتبہ سیّد عبدالواحد معینی ایم اے (آکسن) ناشر آئینہ ادب۔ چوک مینار انارکلی۔ لاہور طبع دوم ۱۹۶۶ء)

شمس العلماء علّامہ سیّد علی الحائری ''سرکار شریعتمدار مجتہد اعلیٰ''

(ولادت ۱۸۷۲ء وفات ۱۹۴۱ء)

''قبلہ وکعبہ'' نے ۲۸ جون ۱۹۲۳ء کو خطاب عام میں مسلمان خصوصاً شیعہ حضرات سے ارشاد فرمایا:

''اس مذہبی آزادی کے قیام و دوام کے لیے صدق دل سے آمین کہیں کیوں کہ فی الحقیقت آپ بہت ہی ناشکر گزار ہوں گے اگر آپ اس کا اعتراف نہ کریں کہ ہم کو ایسی سلطنت کے زیر سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی عدالت اور انصاف پسندی کی مثال اور نظیر دنیا کی کسی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی۔
فی الواقع بادشاہ وقت کے حقوق میں ایک اہم حق یہ ہے کہ رعایا اپنے بادشاہ کے عدل و انصاف کے شکر گزاری میں ہمیشہ رطب اللسان رہے۔ اس میں بھی حضور پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام کی تاسی مسلمانوں کو لازم ہے کہ آپ نے بھی نوشیرواں عادل کے عہد سلطنت میں ہونے کا ذکر مدح اور فخر کے رنگ میں بیان کیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حضور کی تاسی میں مسلمان اس مبارک مہربان منصف اور عدل گستر برطانیہ عظمیٰ کی دعا گوئی اور ثنا جوئی کریں اور اس

کے احسانوں کے شکر گزار رہیں۔
غور کرو! کہ تم اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے کیوں کر بے خوف وخطر پوری آزادی کے ساتھ آج سرِ میدان تقریریں اور وعظ کر رہے ہو اور کس طرح ریل، ڈاک، تار اور دیگر ہر قسم کے سامان جس سے تبلیغ کی مشکلات میں بہت کچھ آسانیاں حاصل ہوئیں۔ اس مبارک اور مسعود عہد میں ہمیں میسر آئے ہیں۔ جو پہلے کبھی کسی حکومت میں موجود نہ ہوتے تھے۔ اسی ہندوستان میں گذشتہ غیر مسلم سلطنتوں کے عہد میں یہ حالت تھی کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اذان تک نہیں کہہ سکتے تھے۔ اور باتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور حلال چیزوں کے کھانے سے روکا جاتا تھا۔ کوئی باقاعدہ تحقیقات نہ ہوتی تھیں۔ مگر یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج ہم ہندوستان میں ایسی مبارک مہربان سلطنت کے تحتِ عدالت وانصاف ہیں کہ وہ ان تمام عیوب اور خود غرضیوں سے پاک ہے۔ جس کو مذاہب کے اختلاف سے کوئی بھی اعتراض نہیں ہے اور جس کا قانون ہے کہ سب مذاہب آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض کو ادا کریں۔
لہذا اس سلطنت (برطانیہ عظمیٰ) کے وجود و بقا اور قیام و دوام کے لیے تمام احباب دعا کریں اور اس کے ایثار کا جو وہ اہل اسلام اور خاص کر شیعوں کی تربیت میں بے دریغ مرعی رکھتی ہے، ہمیشہ صدقِ دل سے شکر گزار ہوں اور اس کے ساتھ دل سے وفادار رہنا اپنا شعار بنالیں اور ان کے خلاف جلسوں اور مظاہروں میں شریک اور معین ہونے سے قطعاً احتراز کریں۔

المقرر علی الحائری (۲۸ جنوری ۱۹۲۳ء)''

فصل ۷

نام نہاد مورّخوں کے تاریخی مغالطے

تاریخ ایک سائنس ہے۔ ممتاز تاریخ دان علاّمہ کافیجی (۱۴۷۵ء) کے نزدیک تاریخ زمانہ کے احوال اور ان کے متعلقات کی یقینی تلاش کا نام ہے۔ (المختصر فی علم التاریخ)
پندرہویں صدی عیسوی کے ماہرفن تاریخ حضرت سخاوی کا نظریہ بھی اسی کے مماثل ہے۔ فلسفہ تاریخ کے شہرہ آفاق موجد حضرت ابن خلدون کا شہرہ یورپ و امریکہ میں بھی پھیل چکا ہے۔ پروفیسر ٹائن بی کے مطابق عیسائی دنیا اسکی نظیر نہیں پیش کرسکتی حتیٰ کہ افلاطون، ارسطو، سینٹ آگسٹائن بھی اس کے ہم پلّہ نہ تھے۔ (سٹڈی آف ہسٹری جلد ۳ صفحہ ۳۴۲)

ابن خلدون کی تحقیق کے مطابق ماضی حال اور مستقبل ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں اور اس حقیقت سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے مورّخ اپنی رائے اور عقیدوں کے موافق یک دم خبروں کی قبول نہ کرے ورنہ جانب داری اور پاسداری کی پٹی اس کی چشم بصیرت پر بندھ جاتی ہے اور ناقلین و راویان اخبار پر جرح قدح نہیں ہوسکتی اور جھوٹ تاریخ میں مستقل جگہ پالیتا ہے۔

تاریخ میں کانگرسیوں اور کمیونسٹوں کی اندھی تقلید

بالکل یہی صورتحال پاکستان پر مسلط ہے۔ جہاں فاہیان جیسے غیرملکی سیاحوں کے سفرنامے قیمتی معلومات سے مرصّع ہیں وہاں بدقسمتی سے ہمارے یہاں بعض نام نہاد مورّخ اکسٹھ سالہ آزادی کے باوجود ابھی تک جنوبی ایشیا کے متعصب کانگرسی ہندوؤں اور دہریہ کمیونسٹوں کو اپنا امام و پیشوا بنائے ہوئے ہیں۔ انہی کی زبان استعمال کرتے اور انہی کی مخصوص سیاسی اصطلاحوں،

محاوروں اور طنزیہ اشاروں کنایوں کو ٹکسالی سمجھتے اور اپنا سرمایہ حیات یقین کرتے ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ عوام بے شمار تاریخی مغالطوں میں الجھ چکے ہیں اور برصغیر کی پچھلی دو صدیوں کی حقیقی تاریخ دبیز پردوں میں چھپادی گئی ہے مثلاً عرصہ دراز سے ہندو کانگرس کے پرستار اور کمیونسٹ نواز حلقوں کی طرف سے یہ زوردار پراپیگنڈا نظم و نثر میں جاری ہے کہ انگریز جہانگیر کے زمانہ میں تاجروں کے بھیس میں آئے اور فریب کاری اور مکاری سے معصوم، امن پسند اور محبت و اخوت کے دیوتا ہندوستانیوں کی سلطنت پر جبراً قبضہ کرلیا مگر حقائق کیا ہیں؟

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ڈاکٹر مبارک علی صاحب کا حقیقت افروز بیان

پاکستان کے مایہ ناز محقق و مبصّر اور غیر جانبدار تاریخ دان جناب ڈاکٹر مبارک علی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> "ہندوستان میں انگریزوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بحیثیت تاجر آئے اور اپنی شاطرانہ چالوں دھوکہ و فریب اور چالاکی سے ہندوستان پر قبضہ کرلیا۔ جس معصومانہ انداز میں یہ دلیل دی جاتی ہے اسی سادگی سے اسے صحیح بھی تسلیم کرلیا جاتا ہے اور ذہن تاریخ کی ان پیچیدگیوں میں نہیں الجھتا کہ جس کے نتیجے میں یہ تغیر و تبدل ہوا اور ایک معاشرے نے دوسرے معاشرے اور ایک تہذیب نے دوسری تہذیب سے شکست کھائی۔ انگریزوں کا ہندوستان پر قبضہ اتنا آسان نہیں تھا کہ محض چالاکی اور دھوکے سے وہ اقتدار حاصل کرلیتے۔ ہندوستان کی شکست اور انگریزوں کی کامیابی میں دونوں معاشروں کی ذہنی اور فکری رجحانات تھے۔
>
> جب ہندوستان میں مغل اقتدار روبہ زوال تھا اور اپنی عظمت کے بوجھ

تلے اس کی کمر ٹوٹ رہی تھی تو اسی وقت یورپ میں ذہنی وفکری تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ جغرافیائی معلومات بحری راستوں کی دریافت، نئی سرزمینوں کی تلاش اور نئی تجارتی منڈیوں کے حصول نے یورپی معاشرے کو دور جاگیرداری سے نکال کر دور سرمایہ داری میں داخل کر دیا۔ تاجر طبقہ اپنی تجارت کو بڑھانے کی خواہش میں نئی سائنسی وفنی ایجادات میں دلچسپی لے رہا تھا جس کی وجہ سے صنعت وحرفت میں انقلابی تبدیلیاں آ رہی تھیں بادشاہ وامراء کے اقتدار میں تاجر طبقہ بھی شریک ہو گیا تھا اور سیاست کا دائرہ کار وسیع ہو گیا تھا۔

جب کہ اسی وقت ہندوستان میں مغل حکمران کی مرکزی طاقت وقوت کے خاتمہ کے بعد جگہ جگہ خودمختار گورنر اور حکمران وجود میں آ رہے تھے۔ قومی بنیادوں پر اٹھنے والی مرہٹہ، سکھ اور جاٹ تحریکیں لوٹ مار اور جنگ وجدل کے ذریعے سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھیں۔ ہندوستان معاشرے کی تمام صلاحیتیں جنگ وجدل اور تحفظ کی تلاش میں صرف ہو رہی تھیں۔ ہندوستانی معاشرہ اسی طرح جاگیردارانہ روایات میں مقید یورپ کی فکری تبدیلیوں سے بے خبر تھا جب کہ مغلوں کے عہد سے یورپی سیاح ہندوستان آ رہے تھے اور اہل یورپ کو ہندوستان کے بارے میں معلومات فراہم کر رہے تھے۔ جو معاشرہ دنیا سے کٹ جاتا ہے وہ تاریخ کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ہندوستانی معاشرہ بھی دنیا میں ہونے والی ترقی کی رفتار سے علیحدہ ہو کر پیچھے رہ گیا اس لئے جب انگریز یہاں آئے اور انہوں نے اپنے اقتدار کی راہیں ہموار کیں تو انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہوئی کہ یہ ملک ہندوستانیوں نے فتح کر کے انگریزوں کے حوالے کیا کیونکہ انگریزوں کی فوج میں اکثریت ہندوستانی سپاہیوں کی تھی۔

یہ غلط فہمی بھی بڑی عام ہے کہ انگریزوں نے حکومت واقتدار اور طاقت مسلمانوں سے چھینی اور ان کی سلطنت پر قابض ہوئے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب کے بعد سے مسلمان سلطنت تیزی سے زوال پذیر ہو گئی تھی اور جگہ جگہ آزاد اور خودمختار ریاستیں وسلطنتیں وجود میں آ گئی تھیں۔ اس دور انتشار میں مرہٹہ طاقت انتہائی مضبوط بن کر ابھری اور انہوں نے دکن اور شمالی ہندوستان میں اپنا اقتدار قائم کر لیا یہاں تک کہ مغل بادشاہ عالم ثانی برائے نام حکمران تھا اور مرہٹہ فوج جنرل پیرون کی سربراہی میں حکومت کر رہی تھی۔ جب ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی کو فتح کیا تو اس نے مغلوں کو نہیں بلکہ مرہٹوں کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کیا اور مغل بادشاہ مرہٹوں کی قید سے نکل کر انگریزوں کی غلامی میں آ گیا۔''

(''المیہ تاریخ'' صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵۔ ناشر فکشن ہاؤس مزنگ روڈ لاہور اشاعت ۱۹۹۹ء)

اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے نوآبادیاتی دور اور علماء کے عقیدہ اور طرز عمل کو اپنی تحقیق کا خاص موضوع بنایا ہے اور اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے کہ :

''ہندوستان میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی طاقت مضبوط ہو گئی اور اس نے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا، تو اس کے ساتھ ہی ہندوستان کا سیاسی ڈھانچہ بھی تبدیل ہونا شروع ہو گیا اور مسلمان حکمران اور امراء کمزور ہو کر بے بس ہو گئے۔ لہذا ان حالات میں ان کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ ہندوؤں اور انگریزوں سے اپنے تعلقات کو نئے خطوط پر استوار کریں لیکن اس مرحلہ پر یہ سوال بھی تھا کہ ان کی راہنمائی کون کرے؟ کیونکہ بادشاہتی ادارے کے کمزور ہونے کے ساتھ ہی اس کے تمام ماتحت ادارے بھی زوال پذیر ہو چکے تھے لہذا لوگوں نے علماء کی جانب رجوع کیا کہ وہ ان کی راہنمائی کریں......

بہر حال ایک چیز تو واضح تھی اور وہ یہ کہ تمام مسلمانوں کیلئے ناممکن تھا کہ وہ ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک چلے جائیں۔ ان پر یہ بات بھی واضح تھی کہ انگریزوں کی فوجی طاقت اس قدر زیادہ ہے کہ ان سے لڑ کر انہیں یہاں سے نکالنا بھی اب ناممکن ہو گیا تھا۔ مغل سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے بعد ان کے لئے ملازمتوں کا حصول بھی مشکل ہو گیا تھا لہذا اب ملازمتوں کی تلاش میں ہندو اور مسلمان دونوں کمپنی اور مقامی ریاستوں کی جانب رجوع کر رہے تھے۔ اس سارے عمل میں مذہبی شناخت انتہائی کمزور ہو گئی تھی کیونکہ مسلمان فوجیوں کو اگر ہندو راجہ کے ملازمت ملتی تو وہ اختیار کرنے پر مجبور تھے اور اگر اسے ہم مذہبوں سے جنگ بھی کرنا پڑے تو اس کے لئے اس میں کوئی جھجک نہیں رہی تھی۔''

''علماء کیلئے یہ صورتحال ضرور تشویش ناک تھی کہ اگر معاشرے میں اس طرح سے اشتراک ہو جائے گا تو مسلمانوں کی علیحدہ سے کوئی مذہبی شناخت نہیں رہے گی۔ ان حالات میں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے کئی فتوے جاری کئے۔ مثلاً انہوں نے مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ کافروں کی ملازمت کریں مگر بحیثیت فوجی کے نہیں تاکہ انہیں مسلمانوں سے جنگ نہ کرنی پڑے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ دوسرے عہدوں اور حیثیتوں میں ان کی ملازمت کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ایک مرتبہ جب ملازمت کر لیں تو پھر ان کی وفاداری بھی لازم ہے۔ لیکن انہیں اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے کافروں کے ساتھ سماجی اور ثقافتی تعلقات نہ ہوں گے...... شاہ عبدالعزیز نے اس بات کی بھی اجازت دے دی تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کو اختیار کر لیا جائے، بلکہ انہوں نے اپنے بھتیجے عبدالحیٰ کو کمپنی کی ملازمت کرنے دی۔ اگر چہ

اس خبر کو سن کر اس وقت کے مشہور صوفی شاہ غلام علی نے سخت افسوس کا اظہار کیا تھا۔ اس پر شاہ عبدالعزیز نے انہیں ایک خط میں اپنے فیصلہ کو صحیح ثابت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اس قسم کی ملازمت میں نہ تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کافروں کے ساتھ تعلقات بڑھیں گے، نہ ہی ان کی خوشامد کرنا ہو گی۔ نہ جھوٹ بولنا پڑے گا اور نہ ہی اسلام کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جائے گا۔''

(''علماء اور سیاست'' صفحہ ۷۹ تا ۸۱)

جناب سید ہاشمی فرید آبادی کی فکر انگیز تحریر

مورّخ پاکستان جناب سید ہاشمی فرید آبادی نے ہندی مسلمانوں کی انگریزوں سے دوستی اور وفاداری کا سب سے بڑا سبب یہ قرار دیا ہے کہ:

''کرزن کے جانشین لارڈ منٹو (۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۰ء) بہت عنایت سے پیش آئے۔ معروضات کی معقولیت، مسلمانوں کی خصوصی اہمیت کو تسلیم کیا۔ وفد کا سب سے اہم مطالبہ یہ تھا کہ شہری اور ملکی مجالس میں مسلمان ارکان کا انتخاب مسلمانوں کی رائے سے ہو اور ان کے لئے جداگانہ حلقۂ انتخاب بنائے جائیں۔ وزیر ہند (مورلے) کے سیاسی عقائد اس مطالبے سے موافقت نہ رکھتے تھے مگر وائسرائے کے اصرار پر وہ بھی مان گیا۔ اخبار ''لنڈن ٹائمز'' نے ایک مبسوط مقالہ شائع کیا (یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء) کہ مختلف مذاہب واقوام کے ایسے مجموعے میں جیسا کہ ہندوستان ہے، جمہوری ادارے تعمیر کرنے کے لئے مسلمانوں کی ''نادر تجویز'' نہایت مناسب ہے۔ تجویز تو شائد کسی انگریز سکرٹری کے دماغ کی کاشتہ تھی لیکن بے شبہ ہندو تعصبات کے ظہور اور مسلمانوں کے ملّی محسوسات نے اس کی آبیاری کی۔ نئی سیاسی تجاویز

(منٹو مورلے اصلاحات ۱۹۰۹ء) میں جُداگانہ انتخاب کا اصول قبول اور عملاً نافذ کر دیا گیا۔''

آگے لکھتے ہیں:

'' قیامِ لیگ سے پانچ سال تک سلطنت برطانیہ کی وفاداری مسلمانوں کی سیاسی شریعت کا کلمۂ طیبہ بن گئی تھی۔ پہلے سکرٹری، مولوی مشتاق حسین (نواب وقار الملک) جیسے متشرّع بزرگ صاف صاف کہتے تھے کہ ہندوستان میں ہماری تعداد صرف ایک خُمس ہے۔ ''خدانخواستہ انگریزی حکومت نہ رہے تو ہمیں ہندوؤں کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا اور ہماری جان، ہمارا مال، ہماری آبرو، ہمارا مذہب سب خطرے میں ہو گا اور کوئی تدبیر ان خطروں سے محفوظ رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے تو وہ یہی ہے کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم رہے۔''

(''تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت'' صفحہ ۵۲۷ تا ۵۲۹ ناشر انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی اشاعت دوم ۱۹۸۸ء)

نواب وقار الملک جیسے متشرّع بزرگ برٹش انڈیا کے مسلم لیڈر کی دور بینی، فراست اور معاملہ فہمی پر ۱۹۴۷ء کے خونچکاں واقعات نے مہر تصدیق ثبت کر دی جبکہ نہرو گورنمنٹ کی سرپرستی میں لاکھوں مسلمان شہید اور لاتعداد بے خانماں ہو کر ہجرت پاکستان پر مجبور ہو گئے۔ فرزندانِ اسلام کے اس قتل عام کو نہ ۱۸۵۷ء کے غدر سے کوئی نسبت ہے نہ مسلم سپین کے سقوط کو ۱۹۴۷ء میں خونِ مسلم کی ارزانی کے دردناک واقعات سے کوئی نسبت ہے۔ بلا مبالغہ تقسیم ملک کے چند ماہ میں کلمہ گو مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں نے جتنی تعداد میں جام شہادت نوش کیا انگریزی عہد حکومت میں اس کا عشر عشیر بھی ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔ انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ ہی اگر مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں نہ آتی تو پورا برصغیر اسی طرح مسلمانوں

سے خالی ہو جاتا جس طرح ۲ فروری ۱۴۹۲ء کے بعد غرناطہ پر بدبخت اور ظالم عیسائی بادشاہ فرڈنینڈ کے تسلّط کے نتیجہ میں ہوا۔

پہلے پہل اترا جہاں — اسلامیوں کا کارواں
اسلام کا اُس ملک سے — اُف مِٹ گیا نام و نشاں
اے سر زمینِ قرطبہ

تہذیب مغرب چھا گئی — تثلیث دل برما گئی
اسپین کی یہ سلطنت — باطل کے قابو آ گئی
اے سر زمینِ قرطبہ

(سیّد احسن اسماعیل گوجرہ)

فصل ۸

برطانوی استعمار کی پاسبان اور ''محافظ ختم نبوت'' مسلم ریاستیں

اس مرحلہ پر تاریخ کا ایک طالب علم یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ انگریزی سلطنت تو الحاق پنجاب ۱۸۴۹ء کے نتیجہ میں ۱۸۶۲ء تک پورے برصغیر کے طول وعرض میں پوری شان وشوکت سے مستحکم ہو چکی تھی جیسا کہ ڈکشنری آف پشتو کے انگریز مؤلف نے دیباچہ میں لکھا۔ اس صورت میں انگریز جو اپنے مدبر دماغ میں صدیوں سے شہرت رکھتے ہیں، ۱۸۶۹ء میں کسی خلوت نشین درویش اور گمنام شخص کو نبی بنانے کے لئے کھڑا کرنے کی حماقت کیسے کر سکتے تھے خصوصاً جبکہ وہ خوب جانتے تھے کہ مسلمان تیرہ سو سال سے ہر مدعی نبوت کا سر قلم کرتے آرہے ہیں اور نبی کا لفظ ہی اُن کے لئے ہمیشہ ناقابل برداشت رہا ہے (حالانکہ خود آنحضرت ﷺ نے مسیح محمدی کو ایک بار نہیں چار بار نبی کے نام سے موسوم کیا ہے)

سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان میں انگریزوں کی وسیع مملکت کو اپنے اقتدار میں اضافہ کے لئے یقیناً ان مسلم ریاستوں کی ضرورت تھی جو ہر وقت اپنے جانباز سپاہیوں، گرانقدر خزانوں اور ہر نوع کی خدمات بجالانے کے لئے ہر لحظہ وقف رہیں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ حیدرآباد دکن اور بہاولپور جیسی دو کٹھ پتلی مسلم ریاستیں غدر ۱۸۵۷ء سے مدتوں قبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانثار خادم کی حیثیت سے شہرت پا چکی تھیں اور انگریزوں کے ہاتھ میں کھلونا بنی ہوئی تھیں اور خود کاشتہ پودا ہونے کا یہ ''اعزاز'' انہوں نے تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) تک برابر قائم رکھا۔

حیدرآباد دکن

حیدرآباد دکن نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ ۱۷۶۶ء میں باقاعدہ معاہدہ کیا۔ ۱۷۶۸ء

میں نظام نے کرناٹک کی دیوانی سات لاکھ روپے سالانہ کے عوض انگریزوں کو دے دی جنہوں نے عہد کیا کہ وہ اس کے لئے فوج مہیا کریں گے جس کا خرچ ریاست برداشت کرے گی مگر ریاست اسے انگریزوں کے دوستوں کے خلاف استعمال نہیں کر سکے گی۔ ۱۷۹۸ء میں نظام کے خرچ پر انگریزوں کی امدادی فوج (SUBSIDIARY FORCE) مستقل کر دی گئی اور فوج اور حیدرآباد کے کارخانوں کا تیار شدہ مہلک اسلحہ مدتوں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شیر اسلام ٹیپو سلطان کے خلاف استعمال کیا۔ سلطان شہید کر دئے گئے اور میسور کی مفتوحہ ریاست کمپنی اور نظام نے ہتھیالی۔ اس بندر بانٹ کے بعد دونوں میں ایک اور معاہدہ طے پایا جس کے مطابق نظام نے میسور کا اکثر علاقہ کمپنی کے حضور تحفۃً پیش کر دیا اور عہد کیا کہ وہ کمپنی کی اجازت کے بغیر کسی دوسری طاقت سے کوئی تعلقات قائم نہیں کریں گے۔ ۱۸۵۳ء میں نظام نے برار، عثمان آباد، نورنگ اور رائچور دوآب بھی برطانیہ کے حوالے کر دئے تا انگریزی پانچ ہزار پیادہ، دو ہزار گھوڑسوار اور توپ خانے کے چار دستوں پر مشتمل زبردست فوج حیدرآباد میں رکھ سکیں یہ فوج براہ راست کمپنی کے ماتحت تھی اور کمپنی انگریز ریذیڈنٹ کے اشاروں پر چلتی تھی۔

غدر ۱۸۵۷ء کے فرو کرنے میں نظام حیدرآباد نے ایسی ''شاندار اور مجاہدانہ'' خدمات انجام دیں کہ اس کے صلہ میں عثمان آباد اور رائچور دوآب کے اضلاع واپس نظام کو عطا کر دئے گئے۔

(''ہندوستان کے قدیم شہروں کی تاریخ''، صفحہ ۱۳۳ تا ۱۳۷ تلخیص تالیف جناب وسیم احمد سعید۔ پبلشر فیکٹ پبلیکیشنز لاہور۔ تاریخ اشاعت درج نہیں)

ریاست بہاولپور

پنجاب میں مسلمانوں کی اس سب سے بڑی ریاست کے انگریز سے گہرے روابط کا آغاز ۱۸۰۸ء میں برطانوی سفیر کابل آنریبل مان اسٹوارٹ الفنسٹن کے ذریعہ ہوا۔ ۱۸۲۵ء

میں ریاست کے والی نواب محمد بہاول خاں ثالث نے اپنے معتمد خاص سیّد غلام مصطفیٰ شاہ کے ذریعہ گورنر جنرل ہند لارڈ ولیم بینٹنگ سے بہاولپور کی پدرانہ شفقت کے ساتھ سرپرستی کی عاجزانہ درخواست کی جس پر گورنر جنرل نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بہاولپور سٹیٹ کے خلاف مزید دست درازی سے روک دیا۔ اس سال گورنمنٹ انگلشیہ اور ریاست کا معاہدہ دوستی طے پایا یہ معاہدہ ۱۶ دفعات پر مشتمل تھا۔ گورنمنٹ انگلشیہ کی نمائندگی لدھیانہ کے پولیٹیکل افسر کیپٹن سی ایم ویڈ نے کی۔ معاہدہ کی پہلی دفعہ یہ تھی کہ ’’دوستی و اتحاد ہمیشہ کے لئے فیما بین آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی و نواب محمد بہاول خاں اور اس کے ورثاء جانشینوں کے قائم رہے گا۔‘‘

یہ معاہدہ بہاولپور شہر میں ۲۲ فروری ۱۸۳۳ء کو قرار پایا اور اس پر ڈبلیو سی بنٹنگ نے دستخط کئے اس دائمی معاہدہ کے بعد ریاست بہاولپور نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے اکتوبر ۱۸۳۳ء میں ایک اور معاہدہ کیا جس میں فریقین نے اقرار کیا کہ ہر ایک کے دوست دشمن دوسرے فریق کے دوست دشمن تصوّر کئے جائیں گے۔ سرکار انگریزی ریاست کی محافظ ہوگی اور نواب بہاول خاں اور اس کے جانشین ہمیشہ سرکار انگریزی کے تابع رہیں گے اور کسی اور رئیس یا حکومت سے تعلق نہیں رکھیں گے۔ سرکار بہاولپور بوقت ضرورت سرکار انگریزی کی مدد کرتی رہے گی۔ اس دوسرے عہد نامہ پر لیفٹنٹ میکسن نے سرکار انگریز کی جانب سے اور منشی چوکس رائے نے سرکار بہاولپور کی طرف سے دستخط کئے۔

مارچ ۱۸۴۹ء میں جب پنجاب انگریزی عملداری میں شامل ہوا تو نواب بہاولپور نے ’’فرزند برطانیہ‘‘ کا عملی ثبوت دیتے ہوئے پوری ریاست میں مثالی جشن چراغاں کیا۔ فروری ۱۸۴۴ء میں ریاست بہاولپور کی مشرقی سرحد کی حد بندی ہوئی تو نواب صاحب نے سرکار انگریزی کی خواہش پر علاقہ وٹواں جس سے ریاست کو مالیہ کی صورت میں ۲۵ ہزار سالانہ آمدنی ہوتی تھی، کمال فراخدلی سے حکومت انگلشیہ کی خدمت میں بلا معاوضہ پیش فرما دیا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں نواب بہاولپور نے سرکار انگریزی کی نہ صرف مالی امداد کی بلکہ انگریزوں کی

حمایت میں ریاستی فوج بھی حرکت میں آگئی اور ان تمام افراد کے خلاف جو بلاواسطہ یا بالواسطہ غدر سے ہمدردی رکھتے تھے، ریاست کی طرف سے کارروائی کرنے سے بھی دریغ نہ کیا گیا۔

ریاست بہاولپور کے یہ سب حالات جناب مسعود حسن شہاب کی کتاب ’’بہاولپور کی سیاسی تاریخ‘‘ کے صفحہ ۲۱ تا ۲۸ سے ماخوذ ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۷۷ء میں مکتبہ الہام بہاولپور نے شائع کی تھی۔ مؤلف کتاب جناب مسعود حسن شہاب نے کتاب صفحہ ۲۷۔۲۸ پر یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ:

> ’’مولانا امام بخش بہاولپوری .... مولانا غلام رسول چنڑ کے عمزاد تھے انہیں یہ بھی دکھ تھا کہ ریاست میں مجاہدین آزادی کو ناحق کچلا جا رہا ہے چنانچہ انہوں نے اس صورت حال کے خلاف نواب صاحب کو کئی خط لکھے اور ان کی انگریز پرستی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ مشورہ دیا کہ وہ انگریز کے خلاف قدم اٹھانے میں مجاہدین اسلام کا ساتھ دیں۔ نواب صاحب کو مولانا امام بخش کی جرات ناگوار گزری اور انہوں نے کسی سپاہی کو بھیج کر انہیں شہید کرا دیا۔
>
> ۲۲ دسمبر ۱۸۵۷ء کو جب انقلابی تحریک ناکام ہوئی اور انگریزی حکومت دہلی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئی تو اس خوشی میں ریاست کے صدر مقامات پر چراغاں کیا گیا۔ بہرحال انگریز پرستی کا یہ مظاہرہ نواب صاحب کی سیاسی ضرورت کے تابع تھا اور وہ اُسی کے لئے مجبور تھے‘‘

دونوں مسلم ریاستوں کی ’’شانِ تحفظ ختم نبوت‘‘

یہاں یہ بتانا دلچسپی میں اضافہ کا موجب ہوگا کہ ’’ریاست حیدر آباد‘‘ اور ’’ریاست بہاولپور‘‘ دونوں نے ہمیشہ نہ صرف انگریزوں کی کاسہ لیسی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر انگریز پرستی کا مظاہرہ کرتی رہیں بلکہ احراری ملاّ کی اصطلاح کے مطابق انہوں نے ہمیشہ ایک

دوسرے سے بڑھ کر تحفظ ختم نبوت کے کارنامے بھی انجام دیے۔ چنانچہ اوّل الذکر نے مناظر احسن گیلانی اور دوسرے دیوبندی مولویوں کو بڑے بڑے اعلیٰ مراتب بخشے اور الیاس برنی سے ’’قادیانی مذہب‘‘ کے نام پر کتاب شائع کرائی جسے مخالفین احمدیت انسائیکلوپیڈیا کا درجہ دیتے ہیں اور اس کی خوشہ چینی ہی ہر مکفر ملاّ کی معلومات کا سرمایہ ہے۔

ثانی الذکر (ریاست بہاولپور) کا یہ سیاہ کارنامہ ہمیشہ اس کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ بنا رہے گا کہ اس کی نام نہاد اسلامی عدالت نے لاکھوں کروڑوں احمدیوں کو مرتد قرار دیا۔

ربّ خاتم النبیین کی معجز نمائی

یہ بھی ربّ خاتم النبیین کی معجز نمائی کا عبرت انگیز کرشمہ ہے کہ مقدمہ بہاولپور کی کارروائی اکتوبر ۱۹۸۸ء میں ’’دیوبندی‘‘ اسلامیہ فاؤنڈیشن ا۔ڈیوس روڈ لاہور نے شائع کی اور اس کا دیباچہ اس کے رکن میر عبدالماجد صاحب سیّد نے ۳ محرم ۱۴۰۹ء مطابق ۱۷ راگست ۱۹۸۸ء کو لکھا جس میں انہوں نے آمر مطلق ضیاء الحق کو اس کے بدنام زمانہ اینٹی احمدیہ آرڈیننس پر زبردست تحسین ادا کیا اور اسے ’’مردِ مجاہد‘‘ اور ’’محبّ رسول‘‘ کے خطاب سے نوازا اور یہاں تک لکھا کہ اس کا یہ کارنامہ تکفیر ہمیشہ آبِ زر سے لکھا جائے گا لیکن اسی دن ابھی اس دیباچہ کی سیاہی خشک نہیں ہوئی ہوگی کہ فرعون وقت اپنے بہت سے جرنیلوں سمیت فضائی حادثہ میں ہلاک ہو کر اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

اک نشاں کافی ہے گر دل میں ہو خوفِ کردگار

اور حیرت انگیز تصرفِ الٰہی یہ بھی ہوا کہ یہ قہری تجلی سرزمین بہاولپور میں ظاہر ہوئی جہاں ۵۳ سال قبل ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو ڈسٹرکٹ جج بہاولپور محمد اکبر خاں بی اے ایل ایل بی نے احمدیوں کے ارتداد کا فیصلہ صادر کیا تھا اور اسکی بنیاد منکر حدیث اور ملحد زماں اور زندیق دوراں غلام احمد پرویز کی کتاب ’’میکانکی اسلام‘‘ پر رکھی۔ (مقدمہ بہاولپور جلد اول صفحہ ۵۴)

اس شخص نے اپنے فیصلہ میں قرآنی آیت **ومن یطع اللہ والرسول** کا یہ کہہ کر کھلا اور بھونڈا انداق اُڑایا کہ ’’اس سے لازم آئے گا کہ نبوت کسبی چیز ہے جو اتباع سنت اور ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے‘‘ (فیصلہ مقدمہ بہاولپور صفحہ ۶۶۔۶۷) کیا اس بدسگال اور دریدہ دہن گستاخ قرآن و رسول کو کتاب اللہ کا یہ فرمان معلوم نہ تھا کہ بیٹے اور بیٹی کی پیدائش خالص خدا کی موہبت ہے (الشوریٰ: ۵۰) مگر کیا شادی کئے بغیر مل سکتی ہے؟ حق یہ ہے کہ بقول جنرل ضیاء ’’فاسق و فاجر اور زانی و شرابی ارکانِ اسمبلی ۱۹۷۴ء‘‘ کی طرح ۱۹۳۵ء میں بہاولپور کی کرسی پر بیٹھنے والا ڈسٹرکٹ جج اپنے غیر اسلامی عقائد کی رو سے عملاً فریق مقدمہ دیوبندیہ تھا جو از رُوئے اخلاق و قانون احمدیت کے خلاف کیس سننے کا ہرگز مجاز نہیں تھا۔ سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

مفت میں ملزم خدا کے مت بنو اے منکرو
یہ خدا کا ہے، نہ ہے یہ مفتری کا کاروبار
یہ فتوحاتِ نمایاں یہ تواتر کے نشاں
کیا یہ ممکن ہے بشر سے کیا یہ مکاروں کے کاروبار

فصل ۹

کتاب اللہ کی مستند آفاقی تاریخ اور جماعت احمدیہ

کوئی عاشق رسول عربی ایک لحہ کے لئے بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ تاریخ عالم کا مستند ترین ماخذ قرآن عظیم ہے جس کا نقطہ شعشہ تک ہمیشہ کیلئے محفوظ ہے اور قیامت تک کے تمام علوم و انکشافات کا بحر بیکراں ہے ۔ خود آنحضرت ﷺ کی ترمذی میں یہ ارشاد موجود ہے کہ اوّلین و آخرین کے واقعات اس میں موجود ہیں اس لئے مستقبل میں مسلمانوں کو اس کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے انیسویں صدی کے آٹھویں عشرہ میں جبکہ آپ کو بیعت لینے اور جماعت بنانے کا کوئی حکم نہ تھا، اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ چہارم (مطبوعہ ۱۸۸۴ء) میں تاریخ کے اس راہ نما اصول کی طرف دنیا بھر کے وقائع نگاروں کو توجہ دلائی کہ:

''اس عالم کا مورّخ اور واقعہ نگار بجز خدا کی کلام کے اور کوئی نہیں ہو سکتا .... جس کے مضامین صرف قیاسی انکلوں میں محدود نہیں بلکہ وہ عقلی دلائل کے ساتھ بہ حیثیت ایک مورّخ صادق عالم ثانی کی خبر دیتا ہے اور چشم دید ماجرا بیان کرتا ہے۔'' (صفحہ ۳۸۹)

ہمارا فرض ہے کہ قرآن عظیم ہی کے دربار سے یہ معلوم کریں کہ عہد حاضر میں کون سی جماعت مقبول درگاہ الٰہی ہے اور کون ہے جو غیروں کا ایجنٹ اور کلمہ گوؤں سے کھلا مذاق کر رہا ہے۔

اللہ جلّشانہٗ کا فیصلہ یہ ہے کہ ''انما یتقبل اللہ من المتقین (مائدہ: ۲۸) یعنی درگاہ الٰہی میں متقیوں کے اعمال اور انکی خدمات ہی کو شرف قبولیت بخشا جاتا ہے۔ خود حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو ۱۹۰۳ء میں بذریعہ رویا خبر دی گئی:

''اسلامی خدمات کسی دوسرے سے اللہ تعالیٰ لینا ہی نہیں چاہتا۔ شاید

دوسرا اس میں کچھ غلطی کرے .... جو شخص اسلام کے عقائد کے منافی ہے وہ اسلام کی تائید کیا کرے گا،، (البدر ۳ر اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۸۵)

قرآن مجید کے تاریخی اصول کو مشعل راہ بنانے کے بعد اب دور حاضر کے مسلم زعماء اور انکی منکرین، مغربی صحافت کی جماعت احمدیہ کی نسبت آراء کا مطالعہ کریں۔

ظفر الملت والدین مولانا ظفر علی خاں

''ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان آباد ہیں کیا ان کی طرف سے ایک بھی قابل ذکر تبلیغی مشن مغربی ممالک میں کام کر رہا ہے۔ گھر بیٹھ کر احمدیوں کو برا بھلا کہہ لینا نہایت آسان ہے لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہی ایک جماعت ہے جس نے اپنے مبلغین انگلستان میں اور دیگر یورپین ممالک میں بھیج رکھے ہیں۔ کیا ندوۃ العلماء، دیوبندی، فرنگی محل اور دوسرے علمی اور دینی مرکزوں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی تبلیغ و اشاعت حق کی سعادت میں حصہ لیں۔ کیا ہندوستان میں ایسے متموّل مسلمان نہیں جو چاہیں تو بلا دقت ایک ایک مشن کا خرچ اپنی گرہ سے دے سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن افسوس عزیمت کا فقدان ہے۔ فضول جھگڑوں میں وقت ضائع کرنا اور ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنا آجکل مسلمانوں کا شعار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بے راہ قوم پر رحم کرے''

(اخبار زمیندار دسمبر ۱۹۲۶ء بحوالہ زجاجہ صفحہ ۱۷۰ مؤلفہ سیّد محمد طفیل شاہ صاحب۔ اشاعت اپریل ۱۹۲۹ء)

مفکر احرار چوہدری افضل حق

''آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بے جان تھا .... مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ

ہوسکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا۔ اگر چہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا تاہم اپنی جماعت میں **وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کیلئے نمونہ ہے۔''**

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

(فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں صفحہ ۴۶ تا ۶۰ تالیف مفکر احرار چوہدری افضل حق صاحب گڑھ شنکر مطبوعہ کواپریٹو سٹیم پریس وطن بلڈنگز لاہور)

یاد رہے جناب چوہدری افضل حق صاحب کا یہ حقیقت افروز بیان ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا جس کے چار سال بعد دسمبر ۱۹۲۹ء میں آل انڈیا نیشنل کانگرس کے پلیٹ فارم پر مجلس احرار نے جنم لیا جبکہ یہ لوگ تحریک عدم موالات اور تحریک ہجرت و خلافت میں مسلمانان ہند کو تباہ کن ناکامی سے دوچار کرنے کے بعد اس شعر کے مصداق بنے ہوئے تھے۔

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو گرد راہ ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

(اکبر الہ آبادی)

یورپ کی روحانی فتح کا آغاز

بیت الفضل لندن کے افتتاح (اکتوبر ۱۹۲۶ء) کے موقعہ پر اخبار ٹائمز لنڈن نے ۲/اکتوبر ۱۹۲۶ء کی اشاعت کے لیڈنگ آرٹیکل میں لکھا:

''یہ موقع مسیحیت کے علاوہ دیگر مذاہب کی تاریخ میں ایک بڑا اہم واقعہ

ہے کیونکہ یہ لنڈن میں سب سے پہلی مسجد ہے''۔

''برسٹل ایوننگ نیوز'' مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۶ء نے اس موقع پر جماعت احمدیہ کو زبردست خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے ریمارکس دیئے:

یہ مسجد فرقہ احمدیہ نے بنائی ہے جو مذہبی بردباری کی حامی ہے اور تشدد اور مذہبی لڑائیوں کا مخالف ہے۔ اس کا ایمان ہے کہ آسمانی علوم کا چشمہ قرآن شریف میں ہے، سوکھ نہیں گیا بلکہ اب بھی جاری ہے (ترجمہ)

انگلستان کے متعصب مسیحیوں کے ترجمان ''بلٹپٹ ٹائمز'' (BULL TIPPET TIMES) نے لکھا کہ:

اس مسجد کی تعمیر کو ایک چیلنج سمجھنا چاہیے۔ مغرب اب تک مشرق کو مذہباً اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا رہا ہے مگر افسوس کہ اس نے اپنی طاقت کو اپنے گھر میں ہی کمزور کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب مشرق بھی مغرب کی طرف دیکھنے لگا ہے۔ اب مسلمانوں کی اذان کا نعرہ اس سرزمین میں سنایا جانے والا ہے۔

بلٹپٹ ٹائمز نے ان پادریوں پر بھی بھرپور تنقید کی جو خانہ خدا کی تقریب افتتاح میں شامل ہوئے اور انہیں متنبہ کیا کہ اگر عیسائیت کا کوئی حقیقی دشمن ہے تو وہ اسلام ہے۔ (ترجمہ)

(بحوالہ تاریخ مسجد فضل لندن مرتبہ حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب اسٹنٹ سرجن اشاعت دسمبر ۱۹۲۷ء قادیان)

مورخ پاکستان مولانا سیّد رئیس احمد جعفری نے جماعت احمدیہ کی عظیم الشان اور عدیم النظیر خدمات کا تذکرہ اپنی ایک مشہور تصنیف ''حیات قائداعظم'' کے آخر پر ایک شعر میں زیبِ قرطاس کیا ہے۔ میں بھی یہ تاریخی مقالہ اسی شعر پر ختم کرتا ہوں۔ ؎

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے